کتاب مین اسی نقطہ نظر سے اسلامی جہاد پر بحث کی ہے، اور جہاد کے مقاصد، اس کے شرائط، دنیاوی لڑائیون اور جہاد کے فرق اس کی حربی اصلاحات وغیرہ کو تفصیل کیساتھ بیان کیا ہے اور اس کے متعلق تمام غلط فہمیون کو دور کرکے اس کی اصل حقیقت ظاہر کی ہے، اس حیثیت سے یہ کتاب نہایت مفید اور خصوصیت کے ساتھ ان لوگون کے مطالعہ کے لائق ہے، جو جہاد کو بھی دنیاوی جنگ سمجھتے ہین،

حرف اول و سیاست نامۂ عالم از جناب نگہت شاہجہان پوری تقطیع اوسط ضخامت علی الترتیب ۱۲۲، اور ۸۰ صفحے کاغذ کتابت و طباعت بہتر قیمت مجلد ۲ روپیہ مکتبہ سلطانیہ ابراہیم رحمت اللہ روڈ بمبئی نمبر ۳

مصنف علمی و ادبی حلقہ مین بیگانہ نہین، وہ ایک قادر الکلام شاعر اور سنجیدہ نگار صاحب قلم ہین، ان کی نظم و نثر کی متعدد قابل قدر تصنیفین شائع ہو چکی ہین، زیر نظر کتاب اُن کے کلام کا نیا مجموعہ ہے، مصنف کا ذوق بڑا متنوع اور ہمہ گیر ہے اور شاعری کی ہر صنف مین ان کو یکسان قدرت حاصل ہے، چنانچہ یہ مجموعہ بھی غزل، مذہبی و ملی، قومی و سیاسی، جذباتی و رومانی، اخلاقی و حکیمانہ، عارفانہ و صوفیانہ مختلف النوع منظومات کا بوقلمون گلدستہ ہے، بڑا حصہ نظمون کا ہے، غزلین برائے نام ہین، یہ تمام نظمین زبان و بیان کی خوبی اور خیالات کی بلندی و پاکیزگی جملہ ظاہری و معنوی محاسن سے آراستہ اور بیشتر نظمین مصنف کے دینی جذبات کا آئینہ ہین، خصوصاً سیاست نامۂ عالم ان کی قادر الکلامی کا بہت اچھا نمونہ ہے، یہ ایک منظوم ڈرامہ ہے جس مین بارگاہ ایزدی مین اقوام عالم کی پیشی کی تمثیل مین ان قومون کی زبان سے انکے حالات اعمال اور اُن کی سیاست پر نہایت دلچسپ اور مفید تبصرہ ہے، حرف اول کے شروع مین جناب سراج احمد صاحب علوی پروفیسر گاندھی فیض عام کالج شاہجہان پور کا مقدمہ اور سیاست نامۂ عالم کے آغاز مین فیصل الاسلام صاحب پروفیسر سیاسیات جی ان کالج شاہجہان پور کی تقریظ ہے، دونون کتابین اصحاب ذوق کے مطالعہ کے لائق ہین،

"م"

جلد ۶۵ ماہ ربیع الثانی ۱۳۶۹ھ مطابق ماہ فروری ۱۹۵۰ء عدد ۲

مضامین

شذرات

ہندوستان کی تاریخ میں بالآخر وہ مبارک دن بھی آگیا کہ آزاد و عوامی جمہوریہ قائم ہوگئی، اور ۲۶ جنوری ۱۹۵۰ء کو ہندوستان مکمل طور سے خود مختار ملک بن گیا، اس تاریخی واقعہ پر جس قدر بھی فخر و مسرت کا اظہار کیا جائے کم ہے، لیکن آزادی اور جمہوریت اپنے ساتھ بڑی ذمہ داریاں لاتی ہے، جمہوریت کا قیام ترقی کی راہ کا ایک مرحلہ ہے، آخری منزل نہیں، حصولِ مقصد کا ذریعہ ہے، اصل مقصد نہیں، اس کے معنی صرف یہ ہیں کہ ترقی کے راستہ کی رکاوٹیں دور ہوگئیں، لیکن منزل مقصود تک پہنچنا ابھی باقی ہے، آزادی اور جمہوریت کا صرف یہ مقصد نہیں ہے کہ ہندوستان میں بیرونی طاقت کا اقتدار ختم اور خود ہندوستانیوں کو اپنے ملک پر حکومت کرنے کا اختیار حاصل ہوگیا، بلکہ حقیقی جمہوریت یہ ہے کہ ملک ترقی کے راستہ پر گامزن اور امن و خوشحالی عام ہو، ہر طبقہ اور ہر شخص مطمئن اور جمہوریت کے فوائد اور برکتوں کو محسوس کرے،

آزادی اور جمہوریت خدا کی نعمت و امانت ہے، جو انہی قوموں کے سپرد ہوتی ہے جو اس کا حق ادا اور اس کی ذمہ داریاں پوری کرتی ہیں، اس کا سب سے بڑا حق، بلا امتیاز ملک کے ہر باشندے کیساتھ عدل و انصاف ہے، جب تک حق ادا ہوتا رہے گا حکومت بھی باقی رہے گی، ورنہ واپس لے لیجائیگی، عدل کا لازمی نتیجہ سکون و اطمینان، امن و خوشحالی اور ترقی ہے، اور بے انصافی کا بے اطمینانی، بدنظمی، انتشار، بدامنی اور تباہی، اس لئے دنیاوی حیثیت سے بھی حکومت کی بقا اور ترقی کا مدار بھی عدل ہی پر ہے، حکومت کو دنیا کے موجودہ انقلابات سے سبق حاصل کرنا چاہیے، اسلئے اپنی جمہوریت کو حقیقی جمہوریت بنانا، حکومت کا اور اس کی کامیابی کے لیے مدد کرنا ہر محب وطن کا فرض ہے،

بابری مسجد کے معاملہ میں حکومت بڑی بے توجہی سے کام لے رہی ہے، مسلمانوں کے مسلسل احتجاج کے باوجود اب تک اس نے کوئی توجہ نہیں کی، اگر اس معاملہ میں اس نے غفلت برتی تو کوئی مسجد بھی محفوظ نہ رہ جائے گی، اور مسجدوں کو مندر بنانے کا دروازہ کھل جائے گا، یہ صرف ایک مسجد کا مسئلہ نہیں بلکہ ایک اصول کا سوال ہے کہ ایک سیکولر حکومت میں کسی فرقہ کی عبادت گاہیں کہاں تک محفوظ ہیں، اگر بابری مسجد مسلمانوں کو واپس نہ کی گئی تو اس کے معنی یہ ہیں کہ ہندوستان میں مسلمانوں کا مذہب محفوظ نہیں ہے، اس کے بعد حکومت کس منہ سے دنیا کے سامنے اپنے غیر مذہبی ہونے کا دعوی کر سکے گی، اگر الیکشن کے مصالح کی بنا پر حکومت نے اس معاملہ میں کمزوری دکھائی تو فرقہ پرست اس کو لے ڈوبیں گے،

کانپور کی مسجد کا واقعہ جو صرف ایک غسل خانہ کا معاملہ تھا، ابھی بھولا نہ ہوگا، مذہب کے معاملہ میں آج بھی مسلمانوں کے جذبات وہی ہیں، اور مسلمان کیا کوئی فرقہ بھی اس طرح اپنی عبادت گاہ کی توہین گوارا نہیں کر سکتا اور نہ اس کی ایک چپہ زمین چھوڑ سکتا ہے، تاہم مسلمانوں کو حکومت کے اعتماد پر اس وقت تک صبر و تحمل سے کام لینا چاہیے جب تک اس سے مایوسی نہ ہو جائے، لیکن حکومت کی غفلت پر ماتم کے ساتھ اسکی خوشی بھی ہے کہ بعض منصف مزاج اور حق پرست ہندوؤں نے بڑی جرأت اور سچائی کے ساتھ حکومت کی غفلت اور فرقہ پرستوں کی زیادتیوں کا اعتراف کیا ہے، خصوصاً فیض آباد ڈسٹرکٹ کانگریس کمیٹی کے صدر، اکشے سوامی مہراج نے جو اجودھیا کے ایک مندر کے پجاری بھی ہیں، جس اخلاقی جرأت کا ثبوت دیا ہے وہ سب کے لیے قابلِ تقلید نمونہ اور اس کا ثبوت ہے کہ اس اندھیر نگری میں سچائی کا چراغ گل نہیں ہوگیا ہے، اور اس سے یہ بھی یقین ہوتا ہے کہ فرقہ پرستوں کی شر انگیزی کامیاب نہ ہوگی اور مسلمانوں کی مسجد ان کو واپس ملے گی،

اس گئی گذری حالت میں بھی مذہب میں اتنی طاقت ہے کہ آج بھی وہ قومیں جن کو مذہب سے عملاً کوئی تعلق نہیں ہے، بعض مواقع پر حصول مقصد کے لیے مذہب کو وسیلہ بنانے پر مجبور ہو جاتی ہیں، چنانچہ کمیونزم کے سیلاب کو روکنے کے لیے سیاسی محاذ کے ساتھ مذہب کے نام سے بھی کام لیا جا رہا ہے، ابھی زیادہ زمانہ نہیں گذرا جب ترکوں کے ساتھ عالم اسلامی کی ہمدردی کو ختم کرنے کے لیے ان کی بے دینی کے افسانے اتنے مشہور کیے گئے کہ معلوم ہوتا تھا، ان کو اسلام سے کوئی علاقہ ہی باقی نہیں رہ گیا ہے، (جس کو آجتک لندن بھی موقع بے موقع ہندوستانی مسلمانوں کی مذہبیت کے خلاف استعمال کرتے رہتے ہیں)

لیکن جب کمیونزم کے مقابلہ کے لیے مذہب کی امداد کی ضرورت پیش آئی تو بے دین ترک دفعۃً مذہبی بنا دیے گئے، اور ان کی مذہبیت کی خبرین آنے لگین، حالانکہ ترک من حیث القوم کبھی بے دین نہ تھے، اور نہ آج پوری قوم بیدار ہوگئی ہے۔ مذہب مین ان کی بے اعتدالیان زیادہ تر انقلاب کے اثرات اور برسر حکومت طبقہ کی مغرب زدگی کا نتیجہ تھین جس سے کوئی ملک بھی مستثنیٰ نہین ہے، چنانچہ جس قدر زمانہ گذرتا جاتا ہے اور انقلاب کے اثرات کم ہوتے جاتے ہین، مذہب اپنی جگہ لیتا جاتا ہے، جس کی تصدیق اخبارات کے علاوہ دوسرے معتبر ذرائع سے بھی ہوتی ہے، چنانچہ اس سال چھ ہزار ترک حج کے لیے آئے تھے، حضرت الاستاذ مولانا سید سلیمان ندوی مدظلہ نے ایک خط مین جو مدینہ منورہ سے لکھا تھا، ترکون کی مذہبی حالت کے متعلق اپنے تاثرات تحریر کیے تھے۔ یہ خط بہت دیر مین پہنچا، تاہم اسکے بعض حصے ناظرین معارف تک پہنچانے کے لائق ہین، موصوف تحریر فرماتے ہین:

"ماشاء اللہ امسال کا حج بہت اچھا رہا، چار لاکھ حاجیون کا شمار اخبارات مین چھپا تھا جس مین فلپائن اور نائجیریا تک کے حاجی تھے، ۱۵ ہزار ہندوستان کے ۱۴ ہزار پاکستان کے، ۱۲ ہزار مصر کے اور اسی کے قریب جاوی ہون گے، امسال ترک بھی بہت آئے تھے، چھ ہزار کے قریب تھے، ان کو دیکھکر بڑی خوشی ہوئی، انکی بے دینی کی نسبت جتنی خبرین ہندوستان مین پڑھی تھین، سب غلط معلوم ہوئین، تمام اقوام عالم مین سب سے زیادہ مین نے انکو با ادب سنجیدہ اور متین پایا، اور حرم کا خاص احترام ان کے قلوب میں پایا، ان مین بعض نقشبندی شیوخ بھی تھے، سب کے چہرون پر ماشاء اللہ داڑھی تھی، ورنہ داڑھی تو اب عالم اسلام کے چہرہ سے غائب نظر آتی ہے، نجدیون اور مصری عالمون تک کے چہرے صاف تھے۔"

یوہی ترکی مین جنکے متعلق عام شہرت تھی کہ انھون نے حج بند کر دیا ہے، یہ بھی واضح رہے کہ ترکی کی آبادی دو کرور بھی نہین ہے، اسلیے آبادی کے تناسب سے ترک حجاج کی تعداد ہندستانی حجاج سے کچھ ہی کم اور پاکستان کے حاجیون سے زیادہ تھی،

اس خط سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ ترکی مین نہ صرف مذہب بلکہ تصوف کا سلسلہ بھی قائم ہے،

مقالات

کیا اقبال فرقہ پرست شاعر تھے؟

از

شاہ معین الدین احمد ندوی

(۲)

اسلامی تعلیمات کی تبلیغ واشاعت اور اسلامی نظام کی دعوت سے اقبال کا مقصد

آخر مین سب سے بڑا اعتراض یہ رہ جاتا ہے کہ اقبال نے اسلامی تعلیمات کی تبلیغ واشاعت کی ہے، اور دنیا کو اس کے قبول کرنے اور اسلامی نظام اور اسلامی حکومت کے قیام کی دعوت دی ہے، اور اس سے یہ نتیجہ نکالا جاتا ہے کہ وہ اسلام اور مسلمانون کا غلبہ واقتدار چاہتے تھے،

یہ اعتراض موجودہ مذاق کے لحاظ سے بظاہر وقیع معلوم ہوتا ہے، لیکن اس سے جو نتیجہ نکالا جاتا ہے وہ صحیح نہین، اس بارہ مین اقبال کے نقطۂ نظر اور ان کے مقصد ومنشار کو سمجھنے کے لئے کسی قدر تفصیل کے ساتھ بحث کرنے کی ضرورت ہے،

اس مین شبہہ نہین کہ انھون نے اسلامی تعلیمات کی تبلیغ واشاعت بھی کی ہے اور دنیا کو اسلامی نظام قبول کرنے کی دعوت بھی دی ہے، لیکن اس لئے نہین کہ وہ خود مسلمان تھے، اور ان کا مذہب اسلام تھا، اس لئے وہ ساری دنیا سے اس کو منوانا ۔۔۔ اور اس کے ذریعہ مسلمانون کا غلبہ واقتدار چاہتے تھے

بلکہ اس لئے اسلامی اصولون کی دعوت دیتے تھے کہ اُن کے نزدیک انہی کے ذریعہ انسانیت کی فلاح اور موجودہ دور کی تمام مشکلات ومسائل کا حل ہو سکتا تھا،

اس سے دوسرے مذہبون کی تنقیص لازم نہین آتی، اس لئے کہ جیسا کہ قرآن مجید مین بار بار کہا گیا ہے اسلام کوئی نیا مذہب نہین ہے، بلکہ وہی دین فطرت ہے جس کی تعلیم خدا کے تمام سچے پیغمبر شروع سے اب تک دیتے چلے آئے ہین، اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا لایا ہوا اسلام، ان مذاہب کی اصلاح شدہ اور ان کی آخری تکمیلی شکل ہے، اسی لئے اسلام نے خدا کے تمام سچے پیغمبرون اور ان کی لائی ہوئی الہامی کتابون کی تصدیق کو ایمان کا جز قرار دیا ہے، اس کے بغیر کوئی شخص مسلمان ہی نہین ہو سکتا، گویا اسلام تمام سچے مذاہب کا مصدق اور اُن کی اچھی تعلیمات کا مجموعہ ہے، مذاہب کی اصلاح سے یہ مراد ہے کہ پرانے مذاہب کی تعلیمات مین امتداد زمانہ اور انسانی تصرفات سے جو تبدیلیان ہو گئی تھین جن سے اُن کی ہدایت کی روشنی مدھم پڑ گئی تھی، اسلام نے ان آمیزشون اور تغیرات کو دور کرکے اُن کی تعلیمات کو اصلی شکل مین جلوہ گر کر دیا، اور تکمیل کا یہ مطلب ہے کہ تمام گذشتہ مذاہب اپنے زمانہ کے انسانون کے درجۂ ارتقا اور اُن کی ضروریات و حالات کے مطابق تھے، اس لئے اُن کی تعلیمات بھی سادہ اور محدود اور عموماً صرف موٹی موٹی اخلاقی و روحانی امور پر مشتمل تھین جو ترقی یافتہ انسانی زندگی کی ہدایت کیلئے کافی نہین، اسلام نے گذشتہ مذاہب کی اصلاح کے ساتھ انسانون کیلئے ایک جامع اور مکمل دستور العمل بھی بنا دیا، اس کو تمثیل سے یون سمجھا جا سکتا ہے کہ مذہب [illegible] انسانیت کی تعلیم و تہذیب کا [illegible] نصاب ہے، اور نصاب پڑھنے والے کی عمر اور عقل و فہم کے مطابق ہوتا ہے، اور اس مین تغیر و ترقی کے ساتھ بدلتا رہتا ہے اسلئے [illegible] نصاب بھی انسانی عقل و شعور کی ترقی اور اسکی ضروریات کے لحاظ سے بدلتا رہا اور مذہب اسلام انسانی عقل و فہم کے بلوغ اور اسکی ترقی کا آخری تکمیلی نصاب ہے اسلئے وہ تمام گذشتہ مذہبی نصابون سے زیادہ جامع اور مکمل ہے پرانے نصاب یعنی گذشتہ سچے مذاہب بھی برحق اور اپنے اپنے زمانہ کے لئے ضروری اور مفید تھے، لیکن وہ انسانی ترقی کی ضروریات کا ساتھ نہین دے سکتے تھے اور اسلام کے بعد ان کی ضرورت اس لئے باقی نہین رہی کہ اسلام ان سب کی اچھی تعلیمات کا جامع ہے،

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ جو مذہب جس قدر قدیم ہین، ان کی تعلیمات اتنی ہی محدود ہین، اور جس قدر انسانیت ترقی کرتی گئی ہے، اتنی ہی نئے مذاہب کی تعلیمات مین وسعت اور گہرائی آتی گئی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ انسانیت کے ابتدائی دور مین انسانون کی عقلین سادہ اور ضروریات محدود تھین، اس لئے اُن کی ہدایت ورہنمائی کے لئے جو مذاہب آئے تو وہ بھی سادہ اور محدود تھے، ان کو زیادہ تر خدا اور بندے کے تعلق یعنی عقائد و عبادات سے بحث تھی، یا کچھ موٹی موٹی اخلاقی تعلیمات تھین، اُن کو انسانون کی دنیاوی زندگی سے بہت کم علاقہ تھا، اس لئے تمام پرانے مذاہب مین یا دنیاوی اور مادی زندگی کے قوانین سرے سے ہی نہین ہین، اور اگر کسی مذہب مین ہین بھی تو بہت محدود اور نامکمل شکل مین ان کے مقابلہ مین اسلام چونکہ انسانی عقل و شعور اور تہذیب و تمدن کی ترقی کے زمانہ کا مذہب ہے، اس لئے اس کی تعلیمات تمام گذشتہ مذاہب سے زیادہ جامع اور مکمل ہین، مثلاً گذشتہ مذاہب خاص خاص قومون کی ہدایت ورہنمائی کے لئے آئے تھے، ایک خاص زمانہ تک کے لئے تھے اُن کا مقصد عموماً صرف اخلاقی اصلاح تک محدود تھا، اس لئے ان کی تعلیمات بھی اُنہی تک محدود تھین، اُن کے مقابلہ مین اسلام کا دعویٰ ہے کہ وہ ساری دنیا کی ہدایت ورہنمائی اور ابد تک کے لئے آیا ہے اور اس کا مقصد زندگی کے کسی خاص شعبہ اور خاص پہلو کی نہین، بلکہ پورے نظام زندگی کی ہدایت و اصلاح ہے، جس سے دین و دنیا کا کوئی شعبہ بھی مستثنیٰ نہین اسلئے اس کی تعلیمات دنیوی اور اُخروی تمام ضروریات پر حاوی ہین، یہ جامعیت و ہمہ گیری اسلام کے علاوہ کسی مذہب کی تعلیمات مین نہین ہے، اس کی تفصیلی بحث نہ ہمارا مقصد ہے، اور نہ اس مختصر مضمون مین اس کی گنجایش ہے لیکن اس کے بغیر اسلامی تعلیمات کی تبلیغ و اشاعت اور اسلامی نظام کے قیام کی دعوت کے بارہ مین اقبال کا نقطۂ نظر معلوم نہین ہو سکتا، اور اصل اعتراض باقی رہ جاتا ہے، اس کے علاوہ اسلامی نظام اور اسلامی حکومت کے متعلق عام طور پر بڑی غلط فہمی پھیلی ہوئی ہے، اس کا ازالہ بھی ضروری ہے، اس لئے اس کے اہم پہلوؤن پر مختصراً نگاہ ڈالنا ضروری ہے،

اخلاقی اور روحانی تعلیمات سے دنیا کا کوئی سچا مذہب بھی خالی نہین ہے، اور ان مین بہت سی تعلیمات

مشترک ہین، گو اسلام کی ان تعلیمات کو بھی ایک خاص امتیاز حاصل ہے، اور جو اعتدال و توازن اسلام کی اخلاقی اور روحانی تعلیمات مین ہے، وہ کسی مذہب مین نہین ہو، لیکن اس زمانہ مین کسی نظام اور کسی قانون کے نقص و کمال اور عیب و ہنر کا خواہ وہ دنیاوی ہو یا مذہبی معیار یہ سمجھا جاتا ہے، کہ اُس نے انسان کی دنیاوی زندگی کے مسائل اور مشکلات کا کیا حل پیش کیا ہے، دنیا کی موجودہ مشکلات نے اس سوال کو اور زیادہ اہم بنا دیا ہے، اس لئے آیندہ سطور مین اسی پہلو اور نقطۂ نظر سے اسلامی نظام پر تبصرہ کیا جائیگا،

اسلام کا دعویٰ ہے کہ وہ دین کامل ہے، اور ابد تک کے لئے آیا ہے، اور اس کا بنانے والا علیم و خبیر ہے، جس کی نگاہ سے حال و مستقبل کوئی زمانہ بھی پوشیدہ نہین ہے، لیکن اصولِ ارتقا بھی اسی کا بنایا ہوا ہے، اوسیاس کے علم مین تھا کہ زمانہ کی رفتار اور ترقی کے ساتھ انسانون کی ضروریات بدلتی اور بڑھتی رہینگی، اور نئے نئے مسائل پیدا ہوتے رہین گے، اس لئے اپنے جامع اور مکمل قانون کے باوجود اسلام نے نئے مسائل مین علما کو اجتہاد کی اجازت دی، یعنی ان مسائل مین جو عہدِ رسالت مین موجود نہین تھے، اور جن کے متعلق قرآن حدیث مین احکام نہین ہین، اسلام کی بنیادی روح کو قائم رکھتے ہوئے نئے قوانین کے بنانے اور پرانے فقہی جزئیات مین ضرورت کے مطابق ترمیم کرنے کا اختیار دیا، چنانچہ عہدِ فاروقی مین اور اس کے بعد بھی جب اسلامی مملکت کی توسیع کے ساتھ نئے مسائل پیدا ہوئے، تو اس قسم کے بہت سے نئے قوانین بنائے گئے، اس اصول سے اسلام کا دامن ہر زمانہ کی ضروریات کی تکمیل کے لئے وسیع ہو گیا، لیکن یہ کام انہی علما کا ہو جن مین علم و اجتہاد کے ساتھ تقوی و دیانت کا بھی اجتماع ہو، اس تمہید کے بعد خود دور کے اہم مسائل پر نگاہ ڈالی جاتی ہے، ان مین سب سے زیادہ اہم پیچیدہ اور مشکل مسئلہ سیاسی اور معاشی کشمکش کا ہے، جس نے دنیا کا امن و امان خطرہ مین ڈال دیا ہے،

ان دونون مسئلون کا اصل اور بنیادی سبب نسلی اور جغرافی قوم و وطن پرستی اور لادینی سیاست ہے یعنی ہر قوم تمام اخلاقی پابندیون سے آزاد ہو کر صرف اپنی قوم کی سیاسی اور معاشی برتری چاہتی ہے جس کا لازمی نتیجہ قومون کی کشمکش اور بدامنی ہے، اس کا حل اسلام نے ایک تو یہ کیا ہے کہ نسلی اور جغرافی گروہ بندی

کو مٹا کر عالمگیر انسانی اخوت و محبت کی تعلیم دی ہو، حدیثون مین اس قسم کی بکثرت تعلیمات ہین، مثلاً

"آپس مین ایک دوسرے سے کینہ اور حسد نہ کرو اور نہ ایک دوسرے سے روگردانی کرو، اور خدا کے سب بندے مل کر بھائی بھائی بن جاؤ،" (بخاری)

"ساری مخلوق خدا کا کنبہ ہے،" (ابوداؤد)

"عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر اسرخ قومون کو سیاہ قومون پر اور سیاہ قومون کو سُرخ قومون پر کوئی فضیلت نہین مگر خدا ترسی کی بنا پر،" (مسند احمد بن حنبل)

تمام انسانون کو ایک دوسرے کے ساتھ لطف و محبت اور رحم و کرم کی تلقین ہو کہ "تم (انسان) زمین والون پر رحم کرو، تو آسمان والا (خدا) تم پر رحم کرے گا،" (مستدرک حاکم) اسی مفہوم کی دوسری حدیث ہے کہ "جو بندون پر رحم نہین کرتا، اس پر خدا رحم نہین کرتا،" (بخاری)

ترمذی مین ہے کہ "جو اپنے لئے پسند کرتے ہو وہی دوسرون کے پسند کرو تب مسلمان ہو گے"

ان تعلیمات مین مسلم اور غیر مسلم کی کوئی تخصیص نہین اور اس مین کافر و مسلمان سب برابر ہین، قرآن مجید نے دشمنون کے ساتھ بھی عدل و انصاف کے قائم رکھنے کا حکم دیا ہے،

"کسی قوم کی عداوت تم کو اس پر آمادہ نہ کرے کہ تم عدل نہ کرو، ہر حال مین انصاف کرو کہ یہ بات تقوی کے قریب ہے" (سورہ مائدہ)

اس سے زیادہ عالمگیر انسانی اخوت و محبت کی اور کیا تعلیم ہو سکتی ہے ؟

اس کی دوسری تدبیر یہ کی کہ انسانی اخوت کی بنیاد نسل اور وطن کے بجائے افکار و تصورات کے اشتراک پر رکھی، اس حقیقت کو اب بڑے بڑے مفکرین و مدبرین مانتے ہین کہ عالمگیر انسانی اخوت کا ذریعہ ان مین افکار و تصورات کا اشتراک اور مقاصد اور نصب العین کی وحدت ہی، جس کو ان الفاظ مین بھی کہا جا سکتا ہے، کہ جب تک انسانی فلاح و سعادت کے اساسی اصولوں اور اُن کے بنیادی حقوق کو تمام قومین نہ مان لین گی، اس وقت تک نہ ان مین اتحاد ہو سکتا ہے اور نہ امن و امان کا قیام ممکن ہے،

اس کی تدبیرین بھی ہوتی رہتی ہین، پرانی جمعیۃ الاقوام اور نیا ادارہ اقوام متحدہ (یو۔ان۔او) سب اسی کی تدبیرین ہین، لیکن انہیں سے کوئی بھی قومی اور وطنی خود غرضی سے پاک نہین، اور وہ صرف بڑی قومون کا آلۂ کار ہین، اس لئے اُن کے ذریعہ اصل مقصد مین کامیابی نہین ہوسکتی، لیگ آف نیشنز کا حشر سب کو معلوم ہے، جغرافی و نسلی قومیت اور وطنیت کے تصور کے ساتھ انسانی فلاح کی کوئی تدبیر کبھی کامیاب نہین ہوسکتی، اس کا صحیح علاج عالمگیر انسانی اخوت و مساوات ہے، جس کی اسلام نے تعلیم دی ہے،

بقول اقبال

تفریقِ ملل ملتِ افرنگ کا مقصود　　اسلام کا مقصود فقط ملتِ آدم
مکہ نے دیا خاکِ جنیوا کو یہ پیغام　　جمعیتِ اقوام کہ جمعیتِ آدم

جب تک قومون مین قومی اور وطنی تفریق قائم رہے گی، اس وقت تک قومی اور نسلی تفوق و برتری کا جذبہ بھی باقی رہے گا،

معاشی کشمکش کا اصل سبب بھی دراصل یہی تفریق ہے، اس لئے اس کا علاج بھی انسانی اخوت و مساوات ہے، جب ہر قوم دوسری قوم کو اپنے برابر سمجھنے لگے گی، اور اپنے تفوق و امتیاز کے لئے دوسرون کے حقوق غصب نہ کرے گی، تو معاشی کشمکش بھی نہ پیدا ہوگی، اس اصولی علاج کے علاوہ اسلام نے اپنا معاشی نظام ایسا متوازن بنایا ہے کہ اگر اس پر صحیح طریقہ سے عمل کیا جائے تو نہ غیر معمولی ثروت ایک شخص یا ایک طبقہ کے پاس جمع ہوگی، جسے سرمایہ داری سے تعبیر کیا جاتا ہے، اور نہ غربت و افلاس پیدا ہوگا جو معاشی کشمکش کا اصل سبب ہے، اس لئے اسلامی نظام معاشیات مین غیر معمولی ناہمواری کا امکان ہی نہین ہے کہ ایک شخص تو قارون بن جائے، اور دوسرے کو پیٹ بھر کر کھانا بھی نصیب نہ ہو، اس موقع پر اس کی تصریح کر دینا ضروری ہے کہ اسلام نے ذاتی املاک اور جائز طریقہ سے حاصل کی ہوئی دولت کو منع نہین کیا ہے، بلکہ اس کی خرابیان دور کرکے اس کی اصلاح کر دی ہے، اسلام مین صرف وہ سرمایہ داری

حرام ہے، جس مین خدا اور بندون کے حقوق نہ ادا کئے گئے ہون، لیکن اگر ان حقوق کو ادا کیا جائے تو غیر معمولی سرمایہ داری پیدا ہی نہین ہوسکتی،

سرمایہ داری کی اصلاح اور اسکی خرابیون کو دور کرنے کی اسلام نے قانونی اور اخلاقی دونون شکلین اختیار کی ہین، ان پر تفصیلی بحث بہت طویل ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اُس نے دولت مین خدا، رسول، ذوی القربیٰ یتامیٰ، مساکین، پڑوسی اور دوسرے تمام ضرورتمند اور اہلِ حاجت کا حق رکھا ہے، اور اس کی مصلحت یہ بیان کی ہے کہ

کے لا یکون دولۃ بین الاغنیاء منکم، یعنی تاکہ دولت محض چند دولتمندون مین گھر کر نہ رہ جائے بلکہ گردش کرتی رہے

اقتصادی ناہمواری اور معاشی کشمکش کا سب سے بڑا سبب یہی ہے کہ موجودہ سرمایہ دارانہ نظام مین دولت چند دولتمندون مین خواہ وہ اشخاص ہون یا طبقات گھر کر رہ جاتی ہے، اگر وہ تمام طبقون مین پھیلا دی جائے تو خود بخود اقتصادی ناہمواری ختم ہو جائے گی، اس لئے اسلامی مالیات کے اس بنیادی اصول پر عمل کرنے سے ساری دنیا کی اقتصادی گتھی سلجھ سکتی ہے، اسلامی تعلیمات کی دو حیثیتین یا دو مدارج ہین، ایک قانونی جس کو اصطلاح مین شریعت کہتے ہین، دوسرے اخلاقی جس کو احسان سے تعبیر کرتے ہین، شریعت کے قوانین کی پابندی ہر مسلمان پر ضروری ہے، یعنی جو اس سے سرتابی کرے گا، حکومت اس سے بجبر منوائے گی، لیکن کچھ اخلاقی تعلیمات ایسی ہین، جن کی حیثیت قانون کی تو نہین ہے، یعنی حکومت اُن کی پابندی پر مجبور نہ کرے گی، لیکن ان پر عمل کے بغیر کوئی مسلمان مومن کامل نہین ہوسکتا، اسلام نے ان دو طریقون سے سرمایہ داری کی خرابیون کی اصلاح کی ہے، اور اس کے لئے قانونی شکلین یہ اختیار کین،

(۱) ہر مسلمان کی املاک مین اسکے مرنے کے بعد وراثت جاری کی، جس سے اشخاص کی دولت ہمیشہ تقسیم ہوتی رہے گی (۲) زمین کو حکومت کی ملک قرار دیا، جس سے جاگیرداری کا انسداد ہوگیا (۳) سونا چاندی

نقد سکہ سونا چاندی اور ان کے زیورات اور ہر قسم کے تجارتی مال پر مسلمانون کے لئے زکوٰۃ فرض کی، جس کی شرحین مختلف ہین (۴) زرعی پیداوار مین مسلمانون پر زکوٰۃ جس کو عشر کہتے ہین، فرض کی، اور غیر مسلمون پر خراج مقرر کیا (۵) تجارتی مال کی برآمد پر عشور یعنی چنگی اور ڈیوٹی لگائی (۶) معدنیات اور زمین کے تمام دفینون مین پانچوان حصہ حکومت کا قرار دیا (۷) اسی طریقہ سے مال غنیمت مین خمس مقرر کیا، (۸) سود کو جو سرمایہ داری کا بڑا ذریعہ ہے، حرام مطلق قرار دیا (۹) احتکار یعنی ذخیرہ اندوزی، سٹہ بازی اور اس قسم کی تمام دوسری ناجائز تجارتون کو جن سے سرمایہ داری کو ترقی ہوتی ہے، اور عوام کو نقصان پہنچتا ہے، حرام قرار دیا،

یہ وہ قوانین ہین جن کی پابندی پر ہر مسلمان قانوناً مجبور ہے اور ان ٹیکسونکو حکومت وصول کرے گی، اسین سے صدقات و زکوٰۃ کی آمدنی کے مصارف مین بڑا مصرف غربا و مساکین ہین، صدقات کا مصرف خود قرآن پاک نے متعین کر دیا ہے جن مین فقراء و مساکین بھی ہین، انما الصدقات للفقراء والمساکین الخ

زکوٰۃ کے متعلق بخاری مین ہے کہ

توخذ من اغنیائھم و ترد علی فقرائھم، — یعنی دولتمندون سے وصول کی جائے گی اور غربا مین تقسیم کی جائے گی،

چنانچہ بیت المال کی زکوٰۃ و صدقات کی آمدنی کا ایک حصہ غربا و مساکین کے لئے مخصوص ہوتا، جو بلا امتیاز مسلم و غیر مسلم تمام حاجتمندون مین صرف کیا جائے گا، حضرت عمرؓ نے اپنے زمانہ مین معذور و مجبور یہودیون اور عیسائیون کے روزینے بھی بیت المال سے مقرر کر دیئے تھے، کیونکہ ان کے نزدیک کلام مجید کی اس آیت انما الصدقات للفقراء والمساکین الخ مین فقرا سے مراد مسلمان اور مساکین سے مراد اہل کتاب ہین (کتاب الخراج امام ابو یوسف) یہ طریقہ بنی امیہ کے زمانہ مین بھی جن کی حکومت خالص دنیاوی تھی، جاری رہا، چنانچہ ولید بن عبد الملک کے زمانہ مین پوری اسلامی قلمرو

کے معذور، ناکارہ اور اپاہج لوگون کے روزینے اور اندھون کی رہنمائی، اور اپاہجون کی خدمت کے لئے آدمی مقرر تھے[۵۱]، اسلامی بیت المال مین نادار لوگون کے قرض کی ادائگی کی بھی ایک مد ہے،

یہ تو سرمایہ داری کی اصلاح کی قانونی شکلیں اور سرمایہ دارون کی دولت مین غریبون کے قانونی حقوق ہین، اس کے علاوہ اسلام نے اس کے اخلاقی طریقے بھی اختیار کئے، چنانچہ ایک طرف تو اس نے جائز طریقہ سے کسب دولت کی ممانعت نہین کی بلکہ اس کی حوصلہ افزائی کی ہے، دوسری طرف دولت کی محبت اور اس کو خزانہ بنانے کی سخت مذمت کی ہے، چنانچہ کلام مجید اور احادیث نبوی مین اسکی بڑی مذمت اور انفاق فی سبیل اللہ اور صدقات اور خیرات کی بڑی تاکید ہے، اور دولتمندون پر اتنی اخلاقی ذمہ داریان عائد کردی ہین، کہ اگر وہ ان کو پوری کرین، تو دولت مشکل ہی سے جمع ہو سکتی ہے، یا کم از کم کوئی انسان ننگا بھوکا نہین رہ سکتا، ایک حدیث مین یہان تک ہے کہ جو شخص خود شکم سیر ہو کر سوئے، اور اس کا پڑوسی اس کے پہلو مین بھوکا رہے، تو وہ مومن نہین ہے[۵۲]، اس کے علاوہ دولت کی برائیون کی اصلاح اور افلاس و غربت کو مٹانے کے متعلق بہت سے احکام اور تعلیمات ہین، جن کے تفصیلی ذکر کی اس مختصر بحث مین گنجایش نہین ہے،

اسی کے ساتھ گداگری اور مفت خوری کے تدارک کیلئے اسلام نے تندرست آدمیونکو گداگری کی ممانعت اور قوت بازو کے ذریعہ معاش پیدا کرنے کی تاکید کی ہے، اور توانا و تندرست آدمیون کے لئے صدقہ لینا ناجائز قرار دیا، ترمذی مین ہے کہ صحیح و تندرست اور غیر محتاج کے لئے صدقہ لینا جائز نہین ہے[۵۳]،

مختلف پیرایون مین صدقہ و خیرات سے بچنے کی تعلیم دی ہے، ایک حدیث مین ہے کہ صدقہ لوگون کے ہاتھ کا میل ہے[۵۴]، ایک دوسری حدیث مین ہے، کہ اوپر کا ہاتھ یعنی دینے والا نیچے کے ہاتھ یعنی لینے والے سے بہتر ہے[۵۵]،

---

۵۱ تاریخ الخلفاء ص ۲۲۳ و طبری ج ۸ ص ۱۲۷۱ ۵۲ مشکوٰۃ و ادب المفرد امام بخاری ۵۳ ترمذی کتاب الزکوٰۃ ۵۴ مسلم کتاب الزکوٰۃ، باب ترک استعمال آل النبی علی الصدقۃ ۵۵ بخاری کتاب الزکوٰۃ باب اتقوا النار ولو بشق تمرۃ،

گداگری کی سخت مذمت کی ہے کہ جو شخص ہمیشہ مانگتا پھرتا ہے وہ قیامت کے دن اسی طرح آئے گا کہ اس کے چہرہ پر گوشت کا ایک ٹکڑا بھی نہ ہوگا،[۱] یعنی وہ دنیا میں گداگری کر کے اپنے چہرہ کی رونق، آبرو کھو چکا ہے،

اور محنت مزدوری کر کے پیٹ پالنے والے کو صدقہ لینے والے سے بہتر قرار دیا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے تم میں سے کسی کا رسی لیکر لکڑی کا بوجھ اٹھانا اس سے کہیں بہتر ہے، کہ وہ کسی سے بھیک مانگے جس کو اختیار ہو کہ دے یا نہ دے،[۲]

ایک مرتبہ ایک حاجتمند صحابی نے آپ سے خیرات مانگی، آپنے اُن سے پوچھا تمہارے پاس کچھ ہے؟ انھوں نے جواب دیا، ایک ٹاٹ اور ایک پیالہ ہے، آپنے اس کو منگا کر خود نیلام فرمایا، اور اس کی قیمت سے سائل کو ایک کلھاڑی خرید دی، اور فرمایا جاؤ جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر بیچو، انھوں نے اس پر عمل کیا، اُن کی محنت میں خدا نے اتنی برکت دی کہ اُن کو پھر کبھی احتیاج نہیں ہوئی،[۳]

لیکن اگر ان تدبیروں کے بعد بھی کچھ معذور و مجبور اشخاص صدقہ و خیرات کے مستحق باقی رہ جائیں، تو اُن کو بھی عزت نفس و خودداری قائم رکھنے کی تعلیم ہے، حدیث میں ہے کہ مسکین وہ نہیں ہے جس کو ایک لقمہ دو لقمے دیکر لوٹا دیتے ہیں، بلکہ مسکین وہی ہے جو احتیاج کے باوجود سوال کرنے سے حجاب کرتا ہے اور لوگوں سے گڑ گڑا کر نہیں مانگتا،[۴]

غیور و خوددار محتاجوں کی خود قرآن نے مدح کی ہے، کہ وہ ایسے ہوتے ہیں کہ ناواقف لوگ اُن کی خودداری اور سوال کی ذلت سے بچنے کے سبب سے ان کو دولتمند سمجھتے ہیں، اور تم (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) اُن کو بشرہ سے پہچانتے ہو یہ لوگوں سے لپٹ کر نہیں مانگتے، (بقرہ - ۳۷)

غریبوں کو ذلت نفس سے بچانے کے لئے دولت مندوں کو حکم دیا، کہ اگر تم علانیہ صدقہ دو تو بھی بہتر ہے، لیکن فقراء کو چھپا کر دینا تمہارے لئے زیادہ بہتر ہے، (بقرہ ۳۷)

[۱] بخاری و مسلم [illegible] [۲] [illegible] الزکوٰۃ باب [illegible] [۳] ابو داؤد کتاب الزکوٰۃ [illegible] [۴] [illegible] الزکوٰۃ باب قول اللہ [illegible] لا یسألون الناس الحافا

حدیث میں مخفی صدقہ کے بڑے فضائل ہیں، مسلم میں ہے کہ بہترین صدقہ وہ ہے، جو اس طرح دیا جائے کہ داہنے ہاتھ سے دیا جائے اور بائیں ہاتھ کو خبر نہ ہو،[۱] نمائش کے لئے صدقہ دینے صدقہ دینے کے بعد احسان جتانے، طعنہ دینے ایذا پہنچانے اور ان تمام طریقوں کی جس سے غریبوں کی خودداری مجروح ہوتی ہو، بڑی مذمت ہی،

غرض اسلام نے ہر پہلو سے سرمایہ اور غربت دونوں کی اصلاح اور برائیاں دور کرنے کی کوشش کی ہے، اگر ان تمام قوانین اور تعلیمات پر پورا عمل کیا جائے، تو نہ غیر معمولی سرمایہ داری پیدا ہو سکتی ہے اور نہ کوئی غریب ننگا، بھوکا رہ سکتا ہے، خلفائے راشدین کے مقدس دور کا ذکر نہیں، حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کے زمانہ میں جنھوں نے اسلامی نظام حکومت کے احیاء کی کوشش کی تھی، اور اُن کو کل دو سال اس کا موقع ملا تھا، ملک میں اتنی آسودہ حالی پیدا ہو گئی کہ اسلامی مملکت میں صدقہ لینے والے نہیں ملتے تھے، اور غربا و مساکین خود صدقہ ادا کرنے کے لائق ہو گئے تھے،[۲]

لیکن بہتر سے بہتر قوانین اور اعلیٰ سے اعلیٰ تعلیم بغیر عمل کے بالکل بیکار ہے، اور عمل کی دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں، ایک یہ کہ وعظ و پند اور تعلیم و تلقین کے ذریعہ لوگوں میں عمل کی روح پیدا کی جائے، دوسرے یہ کہ نہ ماننے والوں کو جبر و قوت سے منوایا جائے، پہلی صورت صالح اور سلیم الفطرت انسانوں کے لئے ہے، عام لوگوں کیلئے قانونی مواخذہ کا خوف ضروری ہے، ورنہ دنیا کا کوئی نظام بھی قائم نہیں رہ سکتا، اسلئے اسلام نے ان دونوں طریقوں کو اختیار کیا، اور دوسرے طریقہ کے لئے قوت نافذہ یعنی حکومت ضروری ہے،

اقبال نے اسی نقطۂ نظر سے حکومت الٰہیہ کے قیام کی دعوت دی ہے، مسلمانوں کو بھی انھوں نے اسی لئے مخاطب کیا ہے، کہ پہلے خود ان میں عمل کی روح پیدا کی جائے، پھر اُن کو نمونۂ عمل بنا کر اُن کے ذریعہ اسلامی نظام کا احیا کیا جائے،

---

[۱] مسلم کتاب الزکوٰۃ باب فضل اخفاء الصدقہ [۲] سیرۃ عمر بن عبد العزیز ابن جوزی ص ۸۵

لیکن جیسا کہ اوپر لکھا جا چکا ہے کہ اقبال کی حکومتِ الٰہیہ کا تصور زمین کے کسی خطہ مین مسلمان قوم کی سیاسی حکومت نہین، بلکہ صحیح اسلامی حکومت ہی جس کا نظام قرآنی قوانین و احکام اور احادیثِ نبوی پہ مبنی ہو، ورنہ دنیا مین مسلمانون کی سیاسی حکومتون کی تو آج بھی کمی نہین، اس کے لئے نئی دعوت کی کیا ضرورت تھی، اقبال نے اسلامی حکومت کے اصلی تصور کو خود اپنی نظم حکومتِ الٰہیہ مین واضح کیا ہے،

بندۂ حق بے نیاز از ہر مقام	نے غلام اورا نہ او کس را غلام
بندۂ حق مردِ آزاد است و بس	ملک و آئینش خدا داد است و بس
رسم و راہ و دین و آئینش ز حق	زشت و خوب و تلخ و نوشینش ز حق
عقل خود بین غافل از بہبود غیر	سود خود بیند نہ بیند سود غیر
وحی حق بینندۂ سود ہمہ	در نگاہش سود و بہبود ہمہ
عادل اندر صلح و ہم اندر مصاف	وصل و فصلش لا یراعی لا یخاف

بندۂ حق یعنی حکومتِ الٰہیہ کا حکمران یا خلیفہ دنیا کی ہر چیز سے بے نیاز ہوتا ہے، نہ خود وہ کسی کا غلام ہوتا ہے، اور نہ کسی دوسرے کو غلام بناتا ہے، وہ ایک آزاد انسان ہوتا ہے، اس کا ملک اور اس کے آئین و قوانین سب خدا کا عطیہ ہوتے ہین، اس کی رسم و راہ اس کا دین و مذہب اس کے آئین و قوانین، اس کی برائی و بھلائی، اس کی تلخی و شیرینی سب منجانب اللہ ہوتی ہے، اس لئے کہ عقل خود بین مین یہ خرابی ہے کہ اس کی نظر ہمیشہ اپنے فائدہ پر رہتی ہے خواہ وہ شخصی ہو یا قومی اس کے مقابلہ مین خدا کی وحی کی نظر سارے انسانون کے فائدہ پر رہتی ہے، اور وہ سب کے سود و بہبود کو دیکھتی ہے (اس لئے وحی الٰہی کے ذریعہ جو قانون اور نظامِ حکومت بنے گا اس مین ساری دنیا کی بھلائی کا لحاظ ہوگا،) وہ صلح ہو یا جنگ ہر حالت مین عدل و انصاف پر قائم رہتی ہے، اس کے میل جول اور جدائی مین کسی کا خوف اور کسی کی رعایت نہین ہوتی،

ان اشعار خصوصاً پانچوین شعر سے ظاہر ہے کہ اقبال کی حکومتِ الٰہیہ کا مقصد قرآنی احکام کے مطابق حکومت ہے،

مذہبی حکومت کے متعلق غلط فہمی کا سبب

مذہبی حکومت کے متعلق ایک عام غلط فہمی ہے اور اس کے معنی یہ سمجھے جاتے ہین کہ جس مین دوسرے مذہب والون کے کوئی حقوق اور ان کے لئے عزت و آبرو کے ساتھ رہنے کی کوئی گنجایش نہ ہو، کم از کم اسلام کی مذہبی حکومت کے متعلق یہ خیال بالکل غلط ہے، اس کی تفصیل آیندہ بیان کیجائے گی،

درحقیقت یہ غلط فہمی یورپ کی پھیلائی ہوئی ہے، اس کا ایک سبب تو یہ ہے کہ عیسائی مذہب کی بنیاد ترکِ دنیا پر ہے جس مین حکومت کی کوئی گنجایش نہین ہے، اس لئے اس مین حکومت کا کوئی آئین بھی نہین ہے، اور حضرت عیسٰی علیہ السلام کے اس قول کی غلط تفسیر نے کہ "جو قیصر کا حصہ ہے سو قیصر کو دو، اور جو خدا کا ہے، سو خدا کو دو" عیسائی مذہب مین اور بھی دین و دنیا مین علٰحدگی پیدا کر دی، لیکن سیاست سے مذہب کی بے دخلی کا اصل سبب یہ ہے کہ گو عیسائی مذہب مین حکومت کی گنجایش نہین ہے لیکن قرون وسطیٰ مین کلیسا کا اقتدار اتنا بڑھ گیا تھا کہ حکومت پر بھی غالب آگیا تھا، اور اس کی حیثیت کنگ میکر کی ہوگئی تھی، اربابِ کلیسا جس کو چاہتے تھے، تخت پر بٹھاتے تھے، اور جس کو چاہتے تھے، اتار دیتے تھے، اور چونکہ ان کے پاس حکومت کا کوئی مذہبی قانون نہین تھا، اور وہ خالص دنیا دار اور مذہبی روح سے بالکل خالی تھے اسلئے اپنا اقتدار قائم رکھنے کے لئے وہ سب کچھ کرتے تھے، جو دنیاوی بادشاہ اپنی حکومت کی بقا کے لئے کر سکتے ہین، بلکہ ان کی سفاکیان اور عیش پرستیان ان سے بھی بڑھ گئی تھین، جس پر یورپ کے قرونِ وسطیٰ کی تاریخ شاہد ہے، اس سے ہر تاریخ دان واقف ہی، اس کا نتیجہ کلیسا کے خلاف بغاوت کی شکل مین ظاہر ہوا اور بڑی خونریز معرکہ آرائیون کے بعد کلیسا کی قوت اور اس کا اقتدار ختم ہوگیا، یہ وہ زمانہ تھا، جب یورپ مین علم و عقل کی روشنی پھیلنا شروع ہو گئی تھی، اس لئے کلیسا کا اقتدار ختم ہونے کے بعد ارباب کلیسا کی غلطیون اور ان کی زیادتیون کی سزا مین نہ صرف مذہب کو سیاست سے خارج کر دیا گیا، بلکہ سرے سے

مذہب ہی کی وقعت جاتی رہی، لیکن اسلام مین جیسا کہ اوپر بھی لکھا گیا ہے، دین و دنیا الگ الگ نہین، بلکہ ایک دوسرے کی تکمیل کا ذریعہ ہین، اور اس کے نزدیک جسم و روح سے مل کر کامل انسان بنتا ہے، اس لئے اس کی تعلیمات بھی ان دونون کی ضروریات پر حاوی ہین، اور اس مین دینی و اخلاقی تعلیمات کے ساتھ حکومت کا بھی پورا آئین موجود ہے، اقبال نے ان واقعات کو بڑی خوبی کے ساتھ نظم کیا ہے:

کلیسا کی بنیاد رہبانیت تھی — سماتی کہاں اس فقیری مین میری
خصومت تھی سلطانی و راہبی مین — کہ وہ سربلندی ہے یہ سربزیری
سیاست نے مذہب سے پیچھا چھڑایا — چلی کچھ نہ پیر کلیسا کی پیری
ہوئی دولت و دین مین جس دم جدائی — ہوس کی امیری ہوس کی فقیری
دوئی ملک و دین کے لئے نامرادی — دوئی چشم تہذیب کی نابصیری
یہ اعجاز ہے ایک صحرا نشین کا — بشیری ہے آئینہ دار نذیری

اسی مین حفاظت ہے انسانیت کی
کہ ہون ایک جنیدی و اردشیری

سیاست سے مذہب کی علیحدگی کے بعد اگرچہ حکومتین کلیسا کے اقتدار سے آزاد ہوگئین، لیکن ان مین شخصی حکومتون کی تمام خرابیان موجود تھین، اور ارباب کلیسا مذہب کے نام پر جو مظالم کرتے تھے، وہ اب سیاست کے نام سے ہونے لگین، جب یہ شخصی استبداد حد سے بڑھ گیا، تو اس کے خلاف بھی عوامی اور جمہوری تحریکین شروع ہوئین، جس کا نتیجہ انقلاب فرانس کی شکل مین ظاہر ہوا، اس وقت سے یورپ مین شخصی حکومتون کے بجائے جمہوری نظام کا آغاز ہوا، گو جمہوری اور عوامی حکومت کی اصطلاح بظاہر بڑی دلفریب ہے، اور اس مین شبہ نہین کہ جمہوریت نے شخصی استبداد کا خاتمہ کر دیا، لیکن جمہوریت کے قیام کے بعد شخصی استبداد کے بجائے جماعتی اور قومی و وطنی استبداد شروع ہوگیا، اور شخصی حکمران

اپنے ذاتی مفاد کے لئے جو بے عنوانیان کرتے تھے، وہی برسر حکومت طبقہ اپنے اقتدار اور اپنے قومی و وطنی مفاد کیلئے دوسری قومون کیساتھ کرنے لگا، اور اس کے جواز کے لئے وطنیت و قومیت کے بت تراشے گئے، چنانچہ اسی زمانہ مین ایشیا پر یورپ کی یلغار شروع ہوئی، اور انہی جمہوری حکومتون نے اس کے بڑے حصہ کو اپنا غلام بنالیا، اور اپنے سیاسی و اقتصادی مفاد کے لئے انھون نے جس طرح مشرقی ملکون کو لوٹا، اور اہل مشرق کو ذلیل و خوار کیا اس سے ہر تاریخ دان واقف ہے،

لیکن اہل مغرب اپنے جلو مین ایک دلفریب تمدن اور نئے علوم کی فوج بھی لائے تھے، اس لئے مشرقی ممالک اس قدر مرعوب و مسحور ہوئے کہ وہ ہر شعبۂ زندگی مین فخر یہ اُن کی تقلید کرنے لگے، چنانچہ جمہوریت کی برکتون کا غلغلہ بھی سارے مشرق مین پھیل گیا، اور اس کے بعد یہان بھی جو نئے نظام حکومت قائم ہوئے اُن کی بنیاد جمہوریت پر رکھی گئی، لیکن درحقیقت موجودہ جمہوری حکومتین جمہوریت کی روح سے بالکل خالی ہین، ان مین اور شخصی حکومتون مین صرف یہ فرق ہے کہ شخصی حکمران اپنے ذاتی فائدہ اور اقتدار کے لئے اپنی رعایا پر جو زیادتیان کرتے تھے، جمہوری حکومتین وہی زیادتیان اپنے قومی مفاد کے لئے دوسری قومون پر کرنے لگین، جس پر مشرق کی تاریخ شاہد ہے، اقبال نے مختلف پیرایون مین اس نام نہاد جمہوریت کی پردہ دری کی ہے:

ہے وہی ساز کہن مغرب کا جمہوری نظام — جس کے پردون مین نہین غیر از نوائے قیصری
دیو استبداد جمہوری قبا مین پائے کوب — تو سمجھتا ہے یہ آزادی کی ہے نیلم پری
مجلس آئین و اصلاح و رعایات و حقوق — طب مغرب مین مزے میٹھے اثر خواب آوری
گرمی گفتار اعضائے مجالس الاماں — یہ بھی اک سرمایہ دارون کی ہے جنگ زرگری

اس سراب رنگ و بو کو گلستان سمجھا ہے تو
آہ اے ناداں قفس کو آشیان سمجھا ہے تو

ایک دوسری نظم مین جمہوریت کے چہرہ سے اس طرح نقاب اٹھاتی ہے،

وائے بردستور جمہور فرنگ — مردہ تر شد مردہ از صور فرنگ
حقہ بازان چون سپہر گرد گرد — از امم بر تختۂ خود چیدہ نرد
شاطران این گنج ور آن رنج بر — ہر زمان اندر کمین یک دگر

فاش باید گفت سرّ دلبران
ما متاع و این ہمہ سوداگران

ان اشعار کی صداقت پر ایشیا و افریقہ کی گذشتہ دو تین صدیون کی تاریخ شاہد ہے، ایشیائی ملکون اور قومون کی غلامی اور ان کی تباہی اسی دور جمہوریت کا زرین کارنامہ ہے، جمہوریت کے بانی اول فرانس کے ہاتھون شمالی افریقہ کے مسلمانون پر اور جمہوریت کے امام برطانیہ کے ہاتھون تمام ایشیائی ملکون پر جو کچھ گذری، اور اب تک گذر رہی ہے، اس سے ہر شخص واقف ہے،

اس کا ایک سبب تو وہی نسلی اور جغرافی قومیت اور وطنیت ہے جس کی تفصیل اوپر گذر چکی ہے، دوسرا سبب لادینی سیاست ہے، درحقیقت جو سیاست مذہب یعنی اخلاق روحانیت اور خوف خدا سے خالی ہوگی وہ کبھی دوسرون کے ساتھ انصاف نہین برت سکتی،

غیر حق چون ناہی و آمر شود — زور ور بر ناتوان قاہر شود
زیر گردون آمری از قاہری است — آمری از ماسوی اللہ کافری است
قاہر آمر کہ باشد پختہ کار — از قوانین گرد خود بندد حصار
جرۂ شاہین تیز چنگ و زود گیر — صعوہ را در کار ہا گیرد مشیر
قاہری را شرع و دستورے دہد — بے بصیرت سرمہ با کورے دہد
حاصل آئین و دستور ملوک — دہ خدایان فربہ و دہقان چو دوک

اس کا علاج صرف قوانین خداوندی کے مطابق حکومت ہے، جو قانون محض انسانی عقل و تجربہ

پر مبنی ہوگا، وہ ذاتی مفاد اور قومی غرض سے خالی نہین ہوسکتا، اس لئے اس سے تمام انسانون کے ساتھ عدل و انصاف کی توقع نہین کیجا سکتی، جس کا تجربہ صدیون سے ہو رہا ہے، اور حکومت الٰہیہ کا نظام اسلام کے علاوہ اور کسی مذہب نے نہین پیش کیا ہے جس کی بنیاد تمامتر عدل و انصاف پر ہے، اور جس مین نہ صرف محکوم قومون بلکہ عالم انسانیت کے حقوق متعین اور محفوظ ہین،

لیکن جیسا کہ اوپر گذر چکا ہے، کلیسا کی استبدادی اور تنگ نظر حکومت نے سارے یورپ کو مذہبی حکومت کا مخالف بنا دیا، اور پھر اس کے ذریعہ یہ مخالفت ساری دنیا مین پھیل گئی، اور مغربی قومون خصوصاً انگریزون نے اسلام کی مذہبی حکومت کو اپنے سیاسی مصالح کی بنا پر خصوصیت کے ساتھ زیادہ بدنام کیا، اور بعض مسلمان بادشاہون بالخصوص عجمی فرمانرواؤن کے غیر اسلامی اعمال نے ان کو بدنام کرنے کا اور زیادہ موقع دے دیا، لیکن جو لوگ اُن کے اعمال و افعال سے اسلام پر اعتراضات کرتے ہین، وہ اس فرق کو بھول جاتے ہین کہ اسلامی حکومت اور مسلمان حکومت اور مسلمان فرمانروا دو الگ چیزین ہین[1] مسلمان فرمانرواؤن کے ذاتی اعمال سے اسلامی قوانین کا قیاس کرنا صحیح نہین اور اُن کے بُرے اعمال کی ذمہ داری اسلام پر نہین ہے، ایسے سلاطین و حکمران نہ اسلام کے صحیح نمایندے تھے، اور نہ اس کا نظام حکومت اسلامی تھا، اُن کا مذہب ضرور اسلام تھا لیکن ان کی تہذیب و تمدن اور سیاست و حکومت مین اُن کی ملکی اور قومی روایات اور آئین و قوانین کا زیادہ اثر تھا، اور مسلمانون کے پرسنل لا اور بعض دوسرے ظاہری اسلامی اثرات کو چھوڑ کر ان کا نظام حکومت خالص دنیاوی تھا، ایسی حالت مین ان کو اسلامی حکومت کہنا اور اُن کے اعمال کی ذمہ داری اسلامی قوانین پر ڈالنا کسی طرح صحیح نہین ہے، بلکہ جن ملکون مین عجمی قومون کے ذریعہ اسلام پہنچا، وہ بھی اصلی شکل مین نہین تھا، اور اس مین بہت سے

---

[1] مسلمان حکومتون کو مجازاً تو اس لحاظ سے اسلامی کہہ سکتے ہین، کہ اُن کے فرمانروا مسلمان ہین، لیکن اُن پر حقیقی اسلامی حکومت کا اطلاق صحیح نہین ہوگا،

عجمی خیالات وعقائد شامل ہوگئے تھے، ایسی حالت مین اُن سے خالص اسلامی قوانین پرعمل کی توقع ہی
نہین کیجاسکتی تھی، یہ بھی اسلام کا بڑا احسان ہے کہ اس نے بہت سی پرانی خونخوار قومون کو مہذب بنادیا
اس سلسلہ مین یہ امر بھی قابلِ غور ہے کہ ایسے بادشاہون کا طرزِ عمل خود مسلمانون کے ساتھ کیا تھا جہان
اُن کے اقتدار اور حکومت کے مفاد کا سوال آجاتا تھا، وہ اُن کے لئے بھی ایک جابر وظالم فرمانروا بنجاتے
تھے ایسے حکمرانون کی تاریخ خود مسلمانون کے ساتھ جنگ وخونریزی اور وحشت وبربریت سے بھری ہوئی
ہے، چنانچہ اسلامی ملکون اور اُن کی حکومتون کے زوال کا ایک بڑا سبب اُن کی خانہ جنگی ہی
ہے تاریخی بحث مین پڑنے کا یہ موقع نہین، اس سے ہر لکھا پڑھا شخص واقف ہے کیا اسلام کی تعلیم یہی ہے
کہ مسلمان مسلمان کا گلا کاٹتے، اور اُن کو محکوم بناتے رہین، درحقیقت یہ سب کے سب دنیاوی بادشاہ
تھے، اور اُن کی حکومتین بھی خالص دنیاوی تھین اور اُن کے پیشِ نظر ذاتی مفاد تھا، اور وہ اسلام کے
نام کو بھی اپنے مقصد کے حصول کے لئے استعمال کرتے تھے، اگر ان مین اسلامی تعلیم کا کچھ بھی اثر ہوتا، تو وہ
آپس مین لڑ لڑ کر اس طرح مسلمانون کو تباہ نہ کرتے، لیکن ہر حکومت مین بعض فرمانروا ذاتی حیثیت سے
صالح اور دیندار بھی تھے، اور انھون نے بڑے عدل وانصاف کے ساتھ حکومت کی، اور علم وفن بھی
(ان) ہمدردی اور انسانیت اور بعض حیثیتون سے مذہب کی بھی خدمت انجام دی، خود ہندوستان کے بہت سے صالح مسلمان
سلاطین کے زرین کارنامے ہماری نگاہون کے سامنے ہین لیکن ان کی حکومت بھی خالص اسلامی نہین تھی
بلکہ عجمی فرمانرواؤن کے مقابلہ مین عرب حکمران نسبتہً بہتر تھے، گو خلافت راشدہ کے بعد ان کی
حکومت بھی خالص اسلامی نہین رہ گئی تھی، پھر بھی اُن مین اسلامی تعلیمات کا کچھ نہ کچھ اثر باقی تھا، اس لئے
جب تک خلافت کی باگ عرب خلفاء کے ہاتھون مین رہی اور وہ عجمی قومون کے اثرات سے بالکل مغلوب نہین
ہوگئے، اُن کی دنیاوی حکومت بھی اسلامی اثر سے یکسر خالی نہین ہوئی بنی امیہ دمشق خلافت عباسیہ کا ابتدائی
دور اور اسپین کی اموی حکومت اس کی شاہد ہین جنھون نے انسانیت کی بڑی خدمت انجام دی

جن کے ذریعہ یورپ مین علم وفن اور تہذیب وتمدن کی روشنی پھیلی،
اس کی وجہ یہ ہے کہ چونکہ اسلامی تعلیمات کے اصل حامل ومبلغ عرب تھے اس لئے عجم کی نومسلم
اقوام کے مقابلہ مین ان مین اسلامی تعلیم کا زیادہ اثر تھا، یہی وجہ ہے کہ جن ملکون مین ان کی حکومت
رہی، یا جہان اُن کے ذریعہ اسلام پہنچا، ان ملکون کی کایا پلٹ گئی اور وہ ان کے حُسنِ عمل اور اُن کے عدل
ومساوات کو دیکھ کر مسلمان ہوگئے، چنانچہ جن ملکون مین اسلام کی حکومت کبھی قائم نہین ہوئی اور صرف عرب
مبلغین کے قدم پہنچ گئے، وہان بھی اسلام کی روشنی پھیل گئی، جزائر شرق الہند یعنی انڈونیشیا اور چین مین کبھی
اسلام کی تلوار نہین پہنچی، لیکن آج پورا انڈونیشیا مسلمان ہے، اور چین مین چھ کروڑ مسلمان ہین، خود ہندوستان
مین مالابار کے سارے ساحلی علاقہ مین عرب مبلغین کے ذریعہ اسلام پھیلا،

یہ ایک ضمنی بات تھی جو درمیان مین آگئی، اصل مقصود یہ کہنا تھا کہ جن حکومتون کو اسلامی کہا جاتا ہے
اور جن حکمرانون کے ذاتی اعمال کو اسلامی سمجھ کر اعتراض کیا جاتا ہے، وہ حکومتین اور وہ حکمران دراصل اسلامی
نہین بلکہ خالص دنیاوی ہین، اُن کو اسلامی نظام حکومت اور اس کے قوانین پر عمل سے کوئی تعلق نہین
تھا، اس لئے اُن کے اعمال کی ذمہ داری اسلام پر نہین ہے، اسلامی حکومت وہ ہے جس کا نظام قرآن و
حدیث کے احکام کے مطابق ہو جس کی بنیاد عدل وانصاف پر ہے، جس مین بلاامتیاز مذہب وملت
رعایا کے ہر طبقہ اور ہر فرد کے ساتھ انصاف برتا جائے، اُن کے تمام حقوق محفوظ ہون، اور وہ اپنے کو اپنی
ملکی وقومی حکومت سے زیادہ محفوظ سمجھین اور نہ صرف حکومت بلکہ ہر مسلمان اُن کے حقوق کا محافظ ونگہبان ہو
یہ کوئی خیالی آئیڈیل نہین، بلکہ تاریخی واقعہ ہے خلفائے راشدین کے زمانہ مین شام کے یہودیون اور
عیسائیون مصر کے قبطیون، شمالی افریقہ کے بربر اور ایران کے مجوسیون کو اسلامی حکومت پر اپنی ملکی حکومت
سے زیادہ اعتماد تھا، جس کے واقعات تاریخون مین موجود ہین،

اسلامی حکومت نے غیر مسلمون کو جو حقوق دئیے ہین، اس سے زیادہ اس دور ترقی مین بھی تصور مین

نہین آسکتے، ان کی تفصیل کی اس مختصر مضمون مین گنجایش نہین ہے، مختصر یہ ہے کہ اسلام مین غیر مسلم رعایا کو وہ تمام حقوق حاصل ہین، جن کو آج کل شہری حقوق کہا جاتا ہے، چند بنیادی حقوق یہ ہین،

اُن کی جان و مال خواہ وہ کسی شکل مین ہو، عزت و آبرو، مذہب، عبادتگاہین محفوظ رہین گی، اُن کو اپنے مذہبی مراسم کے ادا کرنے اور اپنے معاشرتی قوانین پر عمل کرنے کی پوری آزادی حاصل رہے گی، اُن کے مذہبی نظام مین کوئی مداخلت نہ کیجائے گی، اُن کی جان و مال اور عزت و آبرو کو مسلمانون کی جان و مال اور عزت و آبرو کے برابر سمجھا جائے گا، اگر کوئی مسلمان کسی ذمی کو قتل کر دے گا، یا اس کے مال اور آبرو کو کوئی نقصان پہنچائے گا، تو قصاص مین قتل کیا جائے اور مالی نقصان اور بے عزتی کرنے کی سزا پائیگا،

حکومت کے عہدون مین تو اُن کے حقوق کی تصریح نہین ہے، لیکن دولتِ بنی امیہ بنی عباس، دولتِ فاطمیہ مصر اور اسپین کی اموی حکومتون مین چند بڑے ذمہ دار عہدون مثلاً صوبہ داری، فوج کی سپہ سالاری اور قضارت کو چھوڑ کر جن مین علم دین سے واقفیت ضروری ہے، باقی دوسرے عاملانہ عہدون خصوصاً مالیات کے شعبہ مین ذمی بڑے بڑے عہدون پر مامور تھے، اور انکو ہر قسم کی ترقی کے مواقع حاصل تھے،

فقہ کی تمام کتابون مین اسلام کے دوسرے قوانین کی طرح حقوق الذمیین کا بھی باب ہوتا ہے، خصوصاً قاضی ابو یوسف کی کتاب الخراج مین اُن کے حقوق کی پوری تفصیل درج ہے[1]، علامہ شبلی نے بھی اردو مین اس موضوع پر ایک مفصل مضمون لکھا ہے، جس مین ذمیون کے حقوق کی پوری تفصیل ہے، اور ان اعتراضات کا بھی جواب دیا گیا ہے، جو اس سلسلہ مین کئے جاتے ہین،

ممکن ہے نئے مسائل و حالات کی روشنی مین ان قوانین مین ترمیم اور بعض نئے قوانین کی ضرورت ہو، جیسا کہ اوپر گذر چکا ہے، اس کا دروازہ بند نہین ہے، اور علمائے مجتہدین اس کام کو کر سکتے ہین،

---

[1] یہ کتاب ہارون رشید نے اسلامی قانون خراج پر لکھوائی تھی، لیکن اس مین ذمیون کے حقوق کی بھی پوری تفصیل درج ہے، جس پر عباسی دور مین عمل درآمد ہوتا تھا،

اس بحث مین جو باتین لکھی گئی ہین، اُن کے جواب مین یہ کہا جا سکتا ہے کہ دنیا کا کوئی سچا مذہب بھی انسانی حقوق کے احترام، عدل و انصاف، امن و صلح کی تعلیم، اور ظلم و جور، فتنہ و شر اور دوسرون کی حق تلفی وغیرہ کی ممانعت اور اس قبیل کی دوسری اخلاقی تعلیمات سے خالی نہین ہے، اور اُن کے ذریعہ بھی عدل کے ساتھ حکومت کی جا سکتی ہے، اس سے انکار نہین، اسی لئے کسی حکمران قوم کی تاریخ بھی صالح اور عادل حکمرانون سے خالی نہین ہے،

لیکن اصل بحث محض اخلاقی تعلیمات کی نہین، بلکہ اُن کی قانونی حیثیت کی ہے، قانونی حیثیت اور قوتِ نافذہ کے بغیر محض اخلاقی تعلیم کافی نہین ہے، اس لئے کہ اخلاقی تعلیم پر عمل اشخاص کی ذاتی صلاحیت اور سلامتِ طبع پر موقوف ہے، مثلاً ایک صالح حکمران تو اخلاقی تعلیمات پر عمل کرتا ہے، لیکن جو حکمران ایسا نہین ہے، اس کو مجبور کرنے والی کوئی قوت ہونی چاہئے، یہ قوت آئین و قوانین کی ہے،

اسلامی نظام کی یہی خصوصیت ہے کہ اس کا پورا آئین اور اس کے قوانین موجود ہین، جن کی پابندی اخلاقی تعلیمات کی طرح ذاتی صلاحیت پر موقوف نہین، بلکہ اس کا نفاذ اور اُن پر عمل قانونی فرض ہے، اس کے جواب مین یہ کہا جا سکتا ہے کہ جو اسلامی حکمران اُن پر عمل نہین کرتا، اس کو مجبور کرنے والی کونسی قوت ہے، جس کی مثالین تاریخ مین موجود ہین، اس کا جواب اوپر گذر چکا ہے کہ وہ صحیح اسلامی حکمران ہی نہین، جو اسلامی قوانین کا پابند نہ ہو اور وہ اسلامی حکومت نہین جسمین اسلامی قوانین کا نفاذ نہ ہو، اور اس بحث کا مقصد صحیح اسلامی حکومت ہے، درحقیقت خالص دنیاوی اور مادی فوائد کے لحاظ سے بھی اسلامی تعلیمات ایسی صداقتون پر مبنی ہین، جن پر عمل کے بغیر انسانون کو مادی فلاح اور دنیاوی امن و سکون بھی حاصل نہین ہو سکتا، چنانچہ آج انسانی حقوق کے احترام، عالمگیر انسانی اخوت و محبت، معاشی مساوات اور امن و صلح کی آوازین ہر ملک سے بلند ہو رہی ہین، اور جن باتون کو دنیا آج نہین مانتی، ان کے کل ماننے پر مجبور ہو گی، اسلام کے نام سے نہ سہی دوسرے نامون سے سہی، اصل مقصد نام نہین، بلکہ کام اور نتیجہ ہے، اگر دنیاوی معاملات

ہی کی حد تک صحیح اسلامی اصولوں پر دنیا کا عمل ہو جائے تو کم از کم مخلوق خدا کو دنیا میں تو امن و سکون حاصل ہو جائے گا۔

اس لئے اقبال کی دعوت درحقیقت انسانی فلاح و سعادت کی دعوت ہے، جس میں تمام برحق اور الہامی مذاہب کی اصولی تعلیمات شامل ہیں، انھوں نے شاعری کے علاوہ اپنی کتابوں اور تحریروں میں بھی اس حقیقت کا اظہار کیا ہے، خیال آتا ہے کہ اسرارِ خودی کے انگریزی مترجم ڈاکٹر نکلسن یا کسی دوسرے ریویو نگار کے اعتراض پر انھوں نے یہی جواب دیا تھا کہ اُن کے نزدیک انسانوں کی نجات اور ان کے تمام مشکلات کا حل اسلام ہی کے ذریعہ ہو سکتا ہے، اس وقت ان کا اصل جواب سامنے نہیں ہے، اس لئے اُن کے صحیح الفاظ نقل نہیں کئے جا سکتے، مگر اس کا مفہوم قریب قریب یہی تھا،

پروفیسر آل احمد سرور نے اُن کی بعض تعلیمات اور اشعار کے متعلق اپنے کچھ شکوک اور اعتراضات لکھ بھیجے تھے، اُن کے جواب میں انھوں نے لکھا تھا،

آپ کے دل میں جو باتیں پیدا ہوئیں، اُن کا جواب بہت طویل ہے، اور میں بحالتِ موجودہ طویل خط لکھنے سے قاصر ہوں، اگر میں کبھی علی گڈھ حاضر ہوا، یا آپ کبھی لاہور تشریف لائے، تو انشاء اللہ زبانی گفتگو ہوگی، سرِ دست میں دو چار باتیں عرض کرتا ہوں،

۱۔ میرے نزدیک فاشزم کمیونزم یا زمانۂ حال کے اور ازم کوئی حقیقت نہیں رکھتے، میرے عقیدے کی رو سے صرف اسلام ہی ایک حقیقت ہے جو بنی نوع انسان کے لئے ہر نقطۂ نگاہ سے موجب نجات ہو سکتی ہے، میرے کلام پر ناقدانہ نظر ڈالنے سے پہلے حقائقِ اسلامیہ کا مطالعہ ضروری ہے، اگر آپ پورے غور و توجہ سے یہ مطالعہ کریں تو ممکن ہے آپ انہی نتائج تک پہنچیں جن تک میں پہنچا ہوں، یہ ممکن ہے آپ کا ریویو مجھ سے مختلف ہو، یا آپ خود دینِ اسلام کے حقائق ہی کو ناقص تصور کریں، اس دوسری صورت میں دوستانہ بحث ہو سکتی ہے، جس کا نتیجہ معلوم نہیں کیا ہے،

۲۔ آپ کے خط سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے میرے کلام کا بالاستیعاب مطالعہ نہیں کیا ہے، اگر میرا یہ خیال صحیح ہے تو میں آپ کو دوستانہ مشورہ دیتا ہوں کہ آپ اس طرف بھی توجہ کریں، کیونکہ ایسا کرنے سے بہت سی باتیں خود بخود اس کی سمجھ میں آ جائیں گی، (رسالہ ماہ نو اگست ۱۹۴۹ء)

ان سطور میں انھوں نے اپنے کلام کے متعلق اس قسم کے تمام اعتراضات کا جواب دیدیا، تاہم اس سے انکار نہیں کہ اقبال انسان تھے، اُن سے غلطی بھی ہو سکتی ہے، اور ان کی بعض تعلیمات میں اختلاف کی گنجایش نکل سکتی ہے، لیکن مجموعی حیثیت کو وہ بلا اختلافِ مذہب و ملت تمام قوموں کے لئے درسِ حیات ہیں،

اوپر جو کچھ لکھا گیا وہ تو اقبال کے معترضین کا جواب تھا، لیکن اسی کے ساتھ اس حقیقت کا اظہار بھی ضروری ہے کہ اپنے نفس اور اپنی ذات پر خدا کے قوانین کی حکومت قائم کئے بغیر سیاسی حکومتِ الٰہیہ وجود میں نہیں آ سکتی، یعنی جب تک مسلمان اپنے اعمال اور اپنی انفرادی زندگی میں خدا کے احکام کے پابند نہ ہوں گے، اور ان کی زندگی اسلامی سانچہ میں نہ ڈھل جائے گی، اس وقت تک حکومتِ الٰہیہ کا قیام ممکن ہی نہیں ہے، اور جب وہ خود نمونۂ عمل بن جائیں گے، تو دنیا خود بخود اسلامی نظام کی طرف کھچے گی اور بغیر کسی دعوت و تبلیغ کے حکومتِ الٰہیہ قائم ہو جائے گی،

مذہبی عقیدہ و تعلیم اصولِ فطرت اور تاریخی واقعہ ہر لحاظ سے حکومتِ الٰہیہ کے قیام کی یہی ترتیب اور یہی ایک شکل ہے اس بارہ میں قرآن مجید کا وعدہ یہ ہے،

"اللہ تعالیٰ اُن لوگوں سے جو ایمان لائے، اور عمل صالح کئے، یہ وعدہ کیا ہے کہ روئے زمین پر اُن کو اپنا خلیفہ بنائے گا، جس طرح اُن سے پہلے والوں کو خلیفہ بنایا تھا"

یعنی استخلاف فی الارض ایمان و عمل صالح کے ساتھ مشروط ہے،

اصولِ فطرت یہ ہے کہ عملی نمونہ کے بغیر کوئی تعلیم اور کوئی دعوت خواہ وہ دینی ہو یا دنیاوی کامیاب نہیں ہو سکتی، اور ہر دعوت کے لئے ضروری ہے کہ داعی کی پوری زندگی خود دعوت کا عملی نمونہ ہو، اس لئے

مسلمان جب تک اپنی انفرادی زندگی مین اسلامی تعلیمات کا مثالی نمونہ نہ پیش نہ کرین گے، اس وقت تک محض زبان سے اُن کی دعوت بے نتیجہ اور بے اثر رہے گی، لیکن اگر وہ اپنے عمل سے ثابت کر دین کہ اسلام ہی ہر حیثیت سے انسانیت کی فلاح کا ذریعہ ہے، تو دنیا خود بخود اس سے متاثر ہوگی، اور بغیر دعوت کے اس کی طرف کھنچ آئے گی ع

حقیقت خود کو منوا لیتی ہے مانی نہین جاتی

اور یہ اصول نہ صرف اسلام اور حکومتِ الٰہیہ بلکہ دنیا کی ہر تعلیم اور ہر نظام کے لئے یکسان ہے، چنانچہ اگر آج نسلی و جغرافی قومیت و وطنیت کے جذبات سے بلند ہو کر صحیح جمہوری اصولون پر عمل کیا جائے تو دنیا صحیح جمہوری نظام کو قبول کرلے گی اس لئے کہ وہ تو اپنے مشکلات کا حل اور اپنے مصائب کا علاج چاہتی ہے، یہ علاج جس نظام میں بھی ملیگا اسکو بلا تامل قبول کرلے گی، اس لئے اگر مسلمانون کا یہ دعویٰ ہے کہ انسانیت کے امراض کا علاج اسلامی نظام مین ہے اور یہ دعویٰ یقیناً صحیح ہے تو انھین عمل سے اس کا ثبوت دینا چاہئے،

تاریخی حیثیت سے بھی اسلامی نظام کی تبلیغ اور اس کی کامیابی کی بھی یہی ترتیب ہے اسلام کے ظہور کے ساتھ حکومتِ الٰہیہ نہین قائم ہوگئی تھی، بلکہ پہلے برسون مکی اور پھر ابتدائی مدنی زندگی مین ان مین عمل کی روح پیدا کی گئی، اور جب وہ نمونہ عمل بن گئے، اس وقت حکومتِ الٰہیہ کی بنیاد پڑی اور جب خلفاے راشدین کے زمانہ مین اس کا مکمل مثالی نمونہ قائم ہوا، اس وقت خود بخود دوسری قومین اس نظام کو قبول کرنے لگین اس لئے اسلامی نظام کے دعوت کی کامیابی اور ناکامی مسلمانون کے عمل پر منحصر ہے،

ہندوستان مین توپ کی تاریخ

از

مولانا سید ابو ظفر صاحب ندوی

(۳)

عہد جہانگیری

اکبر کی پچاس سالہ حکومت کے باعث ملک مین امن و امان اور خوشحالی کا دورہ تھا، سلطنت کے کسی حصہ مین کوئی جنگ درپیش نہ تھی، اس لئے جہانگیر جب تخت نشین ہوا، تو اس کو سوائے عیش و عشرت کے دوسرا کام نہ تھا، اس لئے اس کے عہد مین فوجی تنظیم وہی رہی، جو اکبر کی قائم کردہ تھی اور جس مین کوئی تبدیلی نہین ہوئی، مگر توپ خانہ مین جو ترقی ہوئی اس کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ بعض معمولی بغاوتون کے فرو کرنے کے لئے جو فوجین گئین اُن مین توپون کی تعداد اس عہد کے لحاظ سے کہین زیادہ تھی، تزک جہانگیری مین بنگالہ کے زمیندار عثمان کی بغاوت کے متعلق ہے،

درین حالت عبد السلام پسر معظم خان باجمعے	اس حالت مین عبد السلام پسر معظم خان
از بندہاے درگاہ کہ مجموعہ سی صد سوار و	شاہی ملازمون کی ایک جماعت لے کر
چہار صد توپچی باشند میرسند،[1]	جس مین تین سو سوار و توپچی تھے، پہنچے،

اسی طرح قلعہ کانگڑا کے فتح کے لئے جب راجہ بکرماجیت کو بھیجا گیا، تو ایک بڑا توپ خانہ بھی اسکے ساتھ تھا، اقبال نامہ مین ہے،

---

[1] تزک جہانگیری ص ۱۴، جشن ہفتم علی گڑھ،

دو دیست سوار برقنداز و پانصد نفر توپچی	دوسو سوار برق انداز اور پانصد توپچی پیادہ
پیادہ سوائے جمیعتے کہ بیشتر تعین شدہ بودند	اُن لوگوں کے علاوہ جو پہلے سے مقرر ہوئے
بخدمت تسخیر قلعہ کانگڑہ دستوری یافتہ تنبائیت	تھے، قلعہ کانگڑہ فتح کرنے کے لئے مامور ہوئے
خلعت وشمشیر سرفراز گردیدہ[۱]	خلعت اور تلوار عطا کرکے سرفراز کئے گئے،

آگرہ میں ایک توپ تھی، جس کا نام ظفر بخش تھا، اس کے بنانے والے کا نام استاد سلطان محمد ہے، اس کا وزن ۴۶۴ من چھ سیر تین پاؤ تھا، اس توپ پر کندہ تھا، "الفقیر سلطان محمد بن عبد الغفور دہلوی ۱۰۳۷ھ

فتح دکن کرد بلطف الہ شاہ جہانگیر ابن اکبر شاہ[۲]"،

شاہجہان جب ۱۰۳۷ھ میں سریر آرائے سلطنت ہوا، تو مغلیہ سلطنت عروج پر تھی، اس عہد میں جنگ قندھار اور حملۂ دکن کے سوا کوئی جنگ قابلِ ذکر نہیں ہے، قندھار میں جو توپیں استعمال ہوئیں، وہ کچھ زیادہ بڑی نہ تھیں، چنانچہ اورنگ زیب کے خطوط میں جو شاہجہان کے نام ہیں، اس کا بار بار تذکرہ آتا ہے[۳]، داراشکوہ جب قندھار جانے لگا ہے، تو دو توپیں، غالباً چھوٹی ہونے کی وجہ سے لاہور میں چھوڑ گیا تھا، اُن میں سے ایک کا نام فتح مبارک اور دوسری کا کشور تھا، دہلی سے دو توپیں اور روانہ کی گئی تھیں، مریم[۴] قلعہ کشا، اس کا طول ۲۵ فیٹ تھا، اس میں اسی فی صدی تانبا، اور باقی ٹین تھا،

ایک توپ جہان کشا" تھی، اس کا طول ۱۷ فیٹ دورہ ۱۵ فیٹ اور دہانہ ایک فیٹ سے زیادہ تھا" یہ ڈھاکہ میں ڈھالی گئی، ۲۰ جمادی الآخر جلوس (یعنی ۱۶۳۷ء) اس پر کندہ ہے،

ارغن — اکبر کے عہد میں جو مشین گن تیار ہوئی تھی، اس میں اس زمانہ میں بڑی بڑی ترقی ہوئی، چنانچہ ایک فرانسیسی نے جو ۱۶۷۹ء میں ہندوستان آیا ہے، اپنے ایک خط میں لکھا ہے، کہ ارغن نامی ایک ایسی مشین

[۱] اقبال نامہ ص ۱۱ کلکتہ [۲] تعمیر تاج محل قلمی کتب خانہ سلیم پور (لکھنؤ) لیکن شبلی منزل میں جو قلمی نسخہ ہے، اس میں ۱۰۳۶ھ ہے، [۳] لیکن ڈاکٹر برنیر لکھتا ہے کہ اس جنگ میں اورنگزیب نے انگریزی فرانسیسی جرمنی، پرتگیزی توپیں استعمال کیں لیکن اس کی تائید کسی دوسری تاریخ سے نہیں ہوتی،

تیار ہوئی ہے، جس میں ۳۶ نال بندوق بیک وقت ایک فلیتہ سے سر ہوتی ہے[۱]،

ڈھول دہان — نظام شاہی توپوں میں سے ایک توپ "ڈھول دہان" تھی، اس کو دیکھ کر شاہجہان نے سلطان محمد کو حکم دیا کہ اسی طرح کی دوسری توپ ڈھالی جائے، چنانچہ سلطان محمد بن عبد الغفور دہلوی نے اس کو ڈھالا، اس کی خصوصیت یہ تھی، کہ اس میں دوسری دھاتوں کے علاوہ دو من چھ سیر چاندی اور ۲۵ سیر سونا بھی لگایا گیا تھا، اس کی مزدوری پر ۲۳۵ روپیے خرچ ہوئے،

عہد عالمگیری — عالمگیر کی ساری عمر چونکہ جنگوں میں گذری، اس لئے فوجی ضروریات کے لحاظ سے توپخانہ کی جس قدر اُس کو ضرورت تھی، اس کے پیش رو بادشاہوں میں سے اکبر کے بعد کسی کو نہیں پیش آئی اس نے توپخانہ کو اعلیٰ پیمانہ پر پہنچانے کے لئے باہر سے بہت سے ماہرین فن کی خدمات حاصل کی گئی ہیں،

منڈھا توپ — ان میں سے ایک محمد حسین عرب تھا، جو اعلیٰ درجہ کی توپیں تیار کرتا تھا، اس کی بنائی ہوئی بعض توپیں آج بھی موجود ہیں، اُن میں سے ایک توپ دولت آباد میں چینی محل کے پاس قلعہ کے دروازہ کے نزدیک ایک برج پر رکھی ہوئی ہے، اس کا اصلی نام "قلعہ شکن" ہے۔ مگر آج کل اسکو "منڈھا توپ" اس لئے کہتے ہیں کہ اس کا سر منڈھے کی طرح ہے، اس توپ کے سیدھے جانب گولے کے صدمے سے گڈھا پڑ گیا ہے، اس کا طول ۱۰ فیٹ ۱۰٫۲ انچ، کان کے پاس کا دور سات فیٹ دو انچ، دہانے کا دور پورے پانچ فیٹ ہے، اور دہانہ ایک فٹ دو انچ کا ہے، جس سے اندازہ ہوتا ہے، کہ اس کا گولہ ایک منی ہوگا، اس پر مندرجہ ذیل عبارت کندہ ہے،

نَصرٌ مِّنَ اللہ فتح قریب وبشر المؤمنین فاللہ خیر حافظا ابو المظفر محی الدین
محمد اورنگ زیب بہادر عالمگیر بادشاہ غازی، توپ قلعہ شکن، عمل محمد حسین عرب"

اس زمانہ میں گولہ اندازوں میں ہندوستانی اور عرب کے علاوہ بعض ڈچ بھی ملازم تھے، چنانچہ

[۱] نظام فوج مصنفہ ارون صاحب لندن ص ۱۳۰،

ایک ڈچ انجینیر جس کا تعلق توپخانہ سے تھا پندرہ سولہ سال تک ملازم رہا، سیواجی سے جنگ کے بعد جب راجہ جے سنگھ واپس آیا، تو اس کی سفارش سے رخصت لیکر ۱۶۶۶ء مین اپنے وطن واپس چلا گیا، [۵۰]

ڈھول دہان اس وقت تک کوئی شہادت ایسی نہین ملی تھی جس سے یہ معلوم ہوتا کہ خود ہندوستانیون نے اس فن کی جانب کتنی توجہ کی، دولت آباد کے ایک برج پر ایک توپ لکڑی کی گاڑی پر رکھی ہوئی ہے، اس کا نام "ڈھول دھان" ہے، یہ بجاپوری توپ ملک میدان کے قریب قریب ہے، اس کا طول ۱۹ فیٹ دس انچ، کان کے پاس کا دور ۵ ½ فیٹ، دہانہ کا دور چار فیٹ آٹھ انچ ہے،

یہ ایک ہندو منگل سنگھ کی بنائی ہوئی ہے، اندازاً اس توپ کا وزن دو سو پچانوے من ہے، اس پر مندرجۂ ذیل عبارت کندہ ہے،

"عمل منگل سنگھ ولد رگھناتھ کشن داس ولد کشن جی، توپ ڈھول دہان بابت
جوڑا کڑہ، طوب، تب ۲۰ در ۲۹۵، سری درگ، سایاغ"

یہ تحریر مرہٹی زبان مین ہے اور مرہٹی زبان کا عروج عہدِ عالمگیر سے شروع ہوا، اس سے قیاس ہوتا ہے، کہ یہ توپ اسی عہد کی ہے، یا ممکن ہے نظام شاہ کے عہد کی ہو، اس لئے کہ نظام شاہیون کے عہد مین بھی مرہٹے بہت کچھ سلطنت مین دخیل ہو چکے تھے، چنانچہ ملک عنبر نے ان کا ایک دستہ تیار کیا تھا، جس کو بڑے بڑے دھاوے کرکے غنیم کو لوٹ لینا سکھایا تھا، یہ طرز مرہٹون کو اس قدر پسند آیا، جس کو وہ اپنے زوال کے آخری زمانہ تک کام مین لاتے رہے، محاصرہ گولکنڈہ مین دو توپین "اژدہا پیکر" اور "دشمن کوب" اتنی بڑی تھین کہ ان کی آواز کی دھمک سے دیوارین ہلنے لگتی تھین، افسوس کہ موقع پاکر اس کو غنیم نے بیکار کر دیا،

اسی قسم کی ایک دوسری توپ تھی، جس کا نام توپ کلان تھا، اس پر مندرجہ ذیل عبارت کندہ تھی،

[۵۰] سفرنامہ ٹیورنیر بیان دولت آباد،

"ابو المظفر محی الدین محمد اورنگزیب بہادر عالمگیر بادشاہ غازی ۱۰۸۵ھ گولہ ۳۵ سیر
عمل متھرا داس ابن رام جی (اسیر قلعہ!) توپ ریز۔" [۵۱]

اس عہد کا مشہور سیاح ڈاکٹر برنیر لکھتا ہے، کہ ایک جنگ مین عالمگیر کی فوج مین ستر بڑی توپین تھین، اُن مین سے بعض کو ۲۱ جوڑی بیل کھینچتے تھے، اور سڑک خراب ہونے کی صورت مین ہاتھی استعمال کرتے تھے،

خاص قسم کی چھوٹی چھوٹی پیتل کی خوبصورت توپین گاڑیون مین بادشاہ کے ساتھ جلوس مین چلتی تھین، اُن کو دو گھوڑے کھینچتے تھے، یہ توپین دراصل زنبال قسم کی ہوتی تھین، مگر بادشاہ کے ساتھ رہنے کے سبب سے اُن کا نام آخر مین حاضر رکاب رکھا گیا، [۵۲]

ہوائی توپ اسی زمانہ مین ایک اور دلچسپ توپ ایجاد ہوئی تھی، اس کا نام ہوائی توپ تھا قلعۂ ڈنڈان کی فتح کے موقع پر یہ توپ یاقوت شیدی نے سیواجی کی جنگ مین استعمال کی تھی، اس توپ کو درخت یا مچان پر رکھ کر فیر کرتے تھے، خافی خان لکھتا ہے:

"توپہائے ہوائی بہم رسانده بر درختہا بستہ وقتِ شب طرف ڈنڈان آتش می داد"

آگے چل کر پھر ایک جگہ لکھتا ہے،

"از ڈن توپہائے ہوائی و دیگر فراہم آوردہ" [۵۳]

اس وقت تک گولے اور گولیان پتھر اور لوہے کی مستعمل تھین، مگر اس عہد مین شیشے کا بھی استعمال شروع ہو گیا تھا، حافظ محمد امین خان گورنر گجرات متوفی ۱۰۹۳ھ کے مال و اسباب کا جب جائزہ لیا گیا، تو اس مین ایک من سیسہ بھی تھا، مآثر عالمگیری مین ہے:-

"خسرو بیگ چیلہ، حافظ محمد امین خان مرحوم کا مال و اسباب احمد آباد سے لے کر حضور رسید

[۵۱] تیغ تاج محل قلمی کتب خانہ سلیم پور لکھنؤ [۵۲] سفرنامہ برنیر، [۵۳] منتخب اللباب ج ۲ ص ۲۲۶،

حاضر ہوا اور سترہ لاکھ روپیہ ایک لاکھ ۳۵ ہزار اشرفیان، چار سو بیس گھوڑے ایک سو سترہ اونٹ، ایک من سیسہ، چار من باروت خان مرحوم کا اثاثہ جہان پناہ کے ملاحظہ مین گذرانا گیا،[1]

عالمگیری عہد مین توپ خانہ کے متعلق حسب ذیل عہدہ دار تھے، (۱) داروغہ (افسر) توپ خانہ (۲) میر آتش، (۳) گولہ انداز (۴) انجینیر (۵) سپاہی، توپ خانہ کا داروغہ پہلے مومن خان پھر حاجی مقیم خان بنائے گئے، کچھ دنون امان اللہ بیگ بھی رہا[2]، میر آتش کے عہدے پر صف شکن خان، صلابت خان، سید عزت خان اور مخلص خان وغیرہ مقرر ہوتے رہے[3]، یہ سب افسر ذی عزت اور صاحب منصب ہوتے تھے، چنانچہ مخلص خان ایک ہزار اور سی صد سوار کے منصب پر فائز تھے،[4]

عالمگیری عہد مین بے شمار توپین موجود تھین جن کا شمار مشکل ہے، ان مین سے اکثر ہندوستان مین تیار کی گئی تھین، مگر دوسرے ملکون کی توپین بھی مختلف طریقون سے جمع ہو گئی تھین، اُن مین سے اکیاون ۱۲۶ عدد برنجی اور آہنی وہ توپین تھین جو جنگ چاٹگام مین پرتگیزون اور اراکانیون سے فتح کے بعد بطور مال غنیمت حاصل ہوئی تھین،[5]

زمزمہ پانی پت کے میدان مین مرہٹون کے افسر توپ خانہ ابراہیم خان کے ماتحت قلعہ شکن توپون کے علاوہ دو سو میدانی توپین تھین، اور احمد شاہ ابدالی کے پاس صرف بیس توپین، ان توپون مین سے ایک کا نام زمزمہ تھا، یہ توپ احمد شاہ ابدالی کے حکم سے اس کے وزیر ولی خان نے لاہور کے ایک مشہور توپ ساز شاہ نظیر سے ۱۱۵۵ھ ۱۷۵۵ء مین تیار کرائی تھی، اسی جوڑ کی ایک دوسری توپ بھی اُس نے تیار کی تھی، جو جنگ پانی پت کے بعد کابل لیجاتے ہوئے دریائے چناب مین غرق ہو گئی تھی، یہ دونون توپین تیل اور تانبہ ڈھال کر بنائی گئی تھین، اس کی لمبائی ۱۴ فیٹ ۴½ انچ اور اس کا دہانہ ۹½ انچ ہے،

[1] مآثر عالمگیری جلوس ۲۲، [2] رقعات عالمگیر، بنام فرزند عالی جاہ، [3] مآثر عالمگیری جلوس ۳۰، [4] مآثر جلوس ۳۱، [5] عالمگیر نامہ،

پانی پت کی فتح کے بعد ابدالی اس توپ کو خواجہ عبید گورنر لاہور کے پاس چھوڑ گیا، جس سے ۱۷۶۲ء مین ایک سردار ہری سنگھ بھنگی نے چھین لی، جو ۱۷۶۴ء تک لاہور کے شاہ برج مین پڑی رہی، اسی سنہ مین گوجر سنگھ نے سردار چرت سنگھ کو جو راجہ رنجیت سنگھ کا دادا تھا، دے دی، وہ گوجرانوالہ لے گیا، پھر راجپوت سردار احمد خان وہان سے احمد نگر (پنجاب) اٹھا لے گیا، کچھ دنون کے بعد گوجر سنگھ نے اُن سے لے لی، مگر دو برس کے بعد چرت سنگھ کے ہات آئی، ۱۷۶۶ء مین یہ توپ پھر احمد خان کے ہاتھ لگی، جس کو اُس نے رسول نگر پہنچا دیا، ۱۷۷۳ء مین سردار جھنڈا سنگھ بھنگی اُن سے چھین کر امرتسر لے گیا، اور ۱۸۰۲ء مین امرتسر فتح ہونے پر مہاراجہ رنجیت سنگھ کے قبضہ مین آئی، اس سے مہاراجہ نے بڑا کام لیا، ڈسکہ، قصور، بجاپور، وزیرآباد اور ملتان کی لڑائیون مین اس کو استعمال کیا، ۱۸۱۸ء مین اس توپ کو محاصرۂ ملتان مین بڑا نقصان پہنچا، اور لاہور کے دہلی دروازہ پر عرصہ تک پڑی رہی، ۱۸۷۰ء مین انگریزون نے یونیورسٹی ہال اور عجائب خانہ کے درمیان ایک چبوترہ پر نصب کر دی، جواب تک موجود ہے، اس کے دہانہ پر مندرجہ ذیل شعر کندہ ہے،

بامرہ در دوران شاہ ولی خان وزیر	ساخت توپ زمزمہ نام قلعہ گیر (عمل شاہ نظیر)

توپ کے پشت پر مندرجہ ذیل اشعار کندہ ہین، جس کے آخری مصرعہ سے تاریخ بھی نکلتی ہے،

در زمان شہِ فریدون فر	داور داد بخش عدل شعار
در دورانِ عصر احمد شاہ	خسرو تخت گیر و جم مقدار
شد بدستور اشرف الوزرار	امر از سدہ سپہر مدار
کہ بزد با ہتمام تمام	توپ ثعبان شکوہ کوہ وقار
خانہ زاد شہ سپہر سریر	شہ ولی خان وزیر اکثر کار
بہر تقدیم آن ہم سترگ	کرد استاد چند را احضار

تابسی تمام ریختہ شد	زمزمہ نام توپ نادر کار
قلعہ کوب حصار چرخ دوم	شد باقبال شاہ روبرکار
سال تاریخش از خرد جستم	کرد با وحشت آن چنان اظہار
کہ اگر نقد جان کنی تسلیم	راز پنہان تو کنم تکرار
بعد تسلیم او بگفتا توپ	پیکر اژدہائے آتش بار ۱۱۵۵ھ

چونکہ یہ توپ کچھ عرصہ تک سکھوں کے "بھنگی" سرداروں کے پاس رہی، اس لئے اس کا نام "بھنگی توپ" بھی ہے۔[۵۱]

۱۱۸۲ھ میں ملتان کے امیر نواب محمد شجاع خان بہادر نے کوہ شکن نامی ایک توپ تیار کرائی تھی، جس پر مندرجہ ذیل کتبہ تھا، غالباً دہانہ پر یہ شعر ہے، اس کا وزن ایک سو دس من ہے،

"چو اژدرہا بجان و دل بسے داغ کہن دارم | حذر کن اے رقیب از من کہ آتش در دہان دارم"

اور پشت پر مندرجہ ذیل اشعار اور عبارت ہے،

اے راست روی توپ ز نواب نامدار	در راستی و پُردلی خود یگانۂ
اژدرے و شیر نژادے و جنگ جو	ماری دہرہ دارے و صاحب خزانۂ

سرکار نواب محمد شجاع خان بہادر صفدر جنگ سنہ ۱۱۸۲ ہجری النبوی اسمش کوہ شکن بوزن یک صد و دہ من گولہ بمقدار دو من و باروت نصف از گولہ در وزن،[۵۲]

فتح ملتان کے بعد یہ توپ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے ہاتھ آئی، اور فتح لاہور کے بعد ۱۸۴۸ء میں انگریزوں نے اس کو کلکتہ پہنچادیا،

ملک میدان بہاری اس نام کی یہ تیسری توپ ہے اسی لئے اس کے نام کے ساتھ شناخت کے لئے لفظ

[۵۱] رسالہ ادب لطیف لاہور مارچ سنہ ۳۵ء بہ تصرف و اختصار، [۵۲] تاریخ پنجاب ص ۱۸۱،

بہاری کا اضافہ کر دیا ہے، اس کا گولہ ایک من کا ہوتا تھا، اور ایک سو پچاس بیل اور دو ہاتھی اس کو کھینچتے تھے، ۱۱۲۴ھ میں جب فرخ سیر بادشاہ اکبر نگر (راج محل) سے عظیم آباد پٹنہ گیا، تو اس وقت یہ توپ کیچڑ میں اس طرح پھنسی ہوئی تھی، کہ ہر چند بیل اور ہاتھی زور لگا کر کھینچتے تھے، مگر وہ اپنی جگہ سے حرکت نہ کرتی تھی، فرخ سیر خود توپ کے پاس آیا، اور توپ خانہ کے فرنگی ملازموں کی تدبیروں سے نکالنا چاہا، مگر کسی طرح کامیابی نہیں ہوئی، اس وقت میرزا اجمیری آداب بجالا کر عرض پرداز ہوا، کہ اگر اجازت ہو تو بندہ بھی ایک دفعہ زور آزمائی کرے، فرخ سیر نے اجازت دی، میرزا موصوف نے گاڑی کے پہیوں (چکون) میں ہاتھ ڈال کر سینہ تک اس توپ کو اٹھالیا، اور عرض کی جہاں ارشاد ہو رکھدوں،

فرخ سیر نے بلند زمین کی طرف اشارہ کیا، میرزا نے نیچی زمین سے لیجا کر بلند زمین پر رکھدیا، اس زور آزمائی سے قریب تھا کہ میرزا موصوف کے آنکھوں سے خون ٹپک پڑے، یہ قوت دیکھ کر فرخ سیر نے بیحد تعریف کی، تماشائی پہلے تو دم بخود رہ گئے، پھر تحسین و آفرین کی صدا اس قدر زور سے بلند کی، کہ تمام میدان گونج اٹھا، اُس کے صلہ میں میرزا کو سہ ہزاری کا منصب عطا ہوا، اور "افراسیاب خان" کے خطاب سے سرفراز ہوا،[۵۳] غالباً فرخ سیر اس توپ کو دہلی ساتھ لے گیا ہوگا، کیونکہ بنگالہ کی تاریخ میں پھر اس کا ذکر کہیں نہیں آیا ہے،

محمد شاہ بادشاہ دہلی نے کرنال کی جنگ میں ایسی توپیں استعمال کیں جن کو پانچ سے دس ہاتھی یا ۵۰۰ سے ایک ہزار بیل تک کھینچتے تھے،[۵۴] غرض مغلیہ سلطنت کے زوال پر ہر قسم کی توپیں ایجاد ہو چکی تھیں جن میں سے ہلکی بھی تھیں، اور وزنی بھی، بعض توپیں ہاتھی پر لاد دیجاتی تھیں، اور دو سپاہی بھی اس کے ساتھ ہوتے تھے، ان کا نام "گج نال" تھا،

کچھ توپیں اونٹوں پر لاد کر لیجاتے اور اُن کی پشت سے دشمنوں پر فیر کرتے، اس کے لئے اونٹوں کو

[۵۳] ریاض السلاطین ص ۲۶۹ مطبوعہ کلکتہ، [۵۴] نظام فوج اردو صاحب،

توپ

خاص طور پر سدھایا جاتا تھا، ایسی توپوں کا نام "شترنال" تھا، "ہتھ نال" غالباً ان توپوں کو کہتے ہوں گے جن کو آدمی ہاتھ سے اٹھا لیتے ہوں گے، یہ نزنال سے چھوٹی ہوتی ہے، اسی طرح "زنبورک" شاہین، دھما کہ، رام جنگی، رہکلہ، بدالیجہ، سنگ زاد، سرکوب، چادر، وغیرہ مختلف قسموں اور ناموں کی توپیں اور آتشیں اسلحے موجود تھے، جن کا ذکر اس عہد کی تاریخوں میں بکثرت ملتا ہے،

سکھوں کا توپخانہ مغلیہ سلطنت کے زوال پر دو طاقتور سلطنتیں پیدا ہوئیں، پنجاب میں سکھوں کی اور دکن میں مرہٹوں کی، سکھوں نے اپنے ابتدائی دور میں توپوں کا زیادہ استعمال نہیں کیا، اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ فرقہ ایک مذہبی حیثیت رکھتا تھا، لیکن جب اُن میں جنگ جوئی پیدا کی گئی، تو اس طرف بھی اُن کا رجحان ہوا،

لکڑی کی توپ چنانچہ ۱۸۱۰ء اور ۱۸۱۵ء کی جنگ لوہ گڑھ اور گرداس پور میں جب اُن کو توپیں نہ ملیں تو انھوں نے عجیب طریقہ سے توپ تیار کی، یعنی بڑے بڑے املی کے درختوں کو کاٹ کر اس کے تنوں میں سوراخ کرکے توپ کی جگہ استعمال کیا، گو یہ طریقہ کچھ زیادہ کارآمد نہیں ہوا، لیکن غنیم کو توپ کا خوف دلانے کے لئے کافی تھا،[1]

سکھوں کے عروج کا زمانہ مہاراجہ رنجیت سنگھ کا عہد ہے، اس زمانہ میں توپخانہ کو ترقی دینے کی کافی کوشش کی گئی، اس کے متعدد کارخانے لاہور میں قائم ہوئے، ملکی اور غیر ملکی، اور مسلم اور غیر مسلم ہر قسم کے ماہرین فن کی قدردانی کرکے اُن سے فائدہ اٹھایا گیا،

لاہور میں صوبہ سنگھ کا کارخانہ اس لئے زیادہ مشہور تھا، بعض توپوں پر صرف "کارخانہ دارالسلطنت" کندہ پایا گیا، ہے جس سے یہ خیال ہوتا ہے کہ شاید یہ سرکاری کارخانہ ہو،

توپ بنانے والوں میں بھی سکھ اور مسلمان دونوں نظر آتے ہیں، ان میں سے پسران سدھا سنگھ اور رائے سنگھ زیادہ مشہور تھے، مسلمانوں میں محمد حیات، فضل علی اور باقی خان زیادہ نامآور ہوئے،

[1] نظام فوج مصنفہ اروِن صاحب (لندن)

کارخانہ کے افسر اعلیٰ جواہر مل (رسمدد) سردار تیج سنگھ، لنگا سنگھ، قادر میاں بخش، امام الدین بہادر، اور موسیو شیوالیر صاحب جنرل کورٹ فرانسیسی تھے، جنرل موصوف نے توپخانہ کو یورپین طرز پر کارآمد بنا دیا اور اپنی فیاضی سے متعدد شاگرد بھی پیدا کئے،

ان توپوں پر مہاراجہ کے بعد اُن افسروں کے بھی نام ہوتے تھے، جن کے ماتحت یہ کارخانے ہوتے تھے، اور توپ ساز کا نام اور تاریخ بھی ہوتی، مگر عموماً سنہ بکرمی استعمال کرتے تھے، اور مغلیہ سلطنت کی تقلید میں اس پر اشعار بھی کندہ کراتے، عام طور پر زبان فارسی استعمال کی جاتی تھی، مگر آخر میں ہندی (غالباً گورمکھی) استعمال کرنے لگے تھے، کسی پر انگریزی میں بھی کچھ الفاظ تحریر کئے گئے ہیں،

۱۸۴۶ء میں جب سکھوں نے انگریزوں سے شکست کھائی، تو دو سو بیس ضرب توپ انگریزوں نے چھین لیں، اور ۳۶ توپیں صلح کے بعد لاہور سے حاصل کیں، غرض کل ۲۵۶ توپیں، صرف لاہور سے حاصل کرکے کلکتہ کے بندرگاہ سے لندن فتح لاہور کی یادگار میں روانہ کی گئیں،[1]

ان توپوں میں سے بعض پر مندرجہ ذیل عبارت کندہ ہے،

فتح جنگ (۱) کال سہائے نظم

توی طالع شاہ رنجیت سنگھ	ہمہ ملک را زیر کردہ چو خنگ
کھڑک سنگھ شہزادہ عالی مکان	کہ دانائے کوران بود مادران
فتح جنگ شد در زمانے تیار	کہ ہجدہ صد و بود ہشتاد و چار
جمعدار این توپ شدہ رائے سنگھ	کہ در جان فشانیست ادبے درنگ
بموجب صلاح لالہ جے سنگھ یار	غلام نبی گفت تاریخ وار

دستخط گر و مارا گیر تباریخ پنجم ماہ ماگہ سنبت ۱۸۸۵ (بکرمی)

[1] تاریخ پنجاب ص ۴۹۶ مؤلفہ منشی عبدالکریم صاحب،

اس کے علاوہ کچھ ہندی (یا گورمکھی) مین بھی کندہ تھا،

(۲) توپ سی بان برون بابت نشا ہولی، طول یب وال للہ درعہ ۱۳۶ دی"

اس کے بعد کچھ گورمکھی مین تحریر ہے،

فتح و نصرت (۳) سری اکال سہائے نظم

ہست این توپ مصر بجلي رام	ہاتفش گفت فتح و نصرت نام
ضرب آتش فشان و برق شرار	صبح اعدا، از دود او چون شام

سمبت ۱۸۹۲ (بکرمی)

جنگ بجلی بفضل اکال سہائے از حکم پادشاہ رنجیت سنگھ بہادر بلند اقبال توپ جنگ بجلی باہتمام جواہر مل بکارخانہ صوبہ سنگھ ساخت دار السلطنت لاہور سمبت ۱۸۹۵ در تحت سردار فتح سنگھ،

نرسنگھ کھی بفضل سری اکال پور کہ جی از حکم رنجیت سنگھ پادشاہ بہادر بلند اقبال نرسنگھ کھی کارخانہ دار السلطنت لاہور باہتمام جواہر مل سنبت ۱۸۹۲ عمل پسران سدھا سنگھ،

فتح بان بفضل سری اکال پور کہ جی مہاراجہ رنجیت سنگھ بہادر دام ملکہ وسلطنتہ سری مہاراجہ صاحب ادھیراج ہذا ضرب موسوم فتح بان حسب الامرا قدس در ۱۸۹۴ء از سال راجہ بکرماجیت باہتمام صاحب ارسطو فطرت فلاطون فطنت موسیو شوالیر جنرل کورٹ صاحب بہادر ریختہ شد،

شش بان نفضل اکال ہذ حکم بادشاہ رنجیت سنگھ بہادر بلند اقبال توپ شش بان باہتمام جواہر مل کارخانہ صوبہ سنگھ دار السلطنت لاہور سنبت ۱۸۹۰ در تحت سردار فتح سنگھ،

بام بان نفضل اکال کے بعد بجز توپ کے نام کے باقی عبارت مندرجہ بالا ہی درج ہے، جو شش بان مین ہے،

نصرت بان بفضل سری اکال پور کہ جی مہاراجہ رنجیت سنگھ بہادر دام ملکہ وسلطنتہ، سری مہاراجہ صاحب ادھیراج ہذا ضرب موسوم بہ نصرت بان حسب الامرا قدس در ۱۸۸۸ از راجہ بکرماجیت باہتمام صاحب ارسطو

فطرت فلاطون فطنت موسیو شوالیر، جنرل کورٹ صاحب بہادر ریختہ شد،

توپ فتح جنگ بموجب حکم حضور فیض گنجور سنگھ صاحب سرتاج خالصہ پادشاہ رنجیت سنگھ جیو دام اقبالہ باہتمام میان قادر بخش در قلعہ مبارک لاہور، توپ دیوان لالہ موتی رام ورام دیال تیار شد، سنہ ۱۸۸۶ رسم توپ فتح جنگ عمل محمد حیات،

توپ لیلی بفضل سری اکال پور کہ جی مہاراجہ رنجیت سنگھ، بہادر دام ملکہ وسلطنتہ، سری مہاراجہ صاحب ادھیراج درسنہ ۱۸۸۸ از راجہ سری بکرماجیت ہذا الضرب موسومہ لیلان (لیلی) حسب الامرا شرف اقدس اعلی حضور انور درسنہ ۱۸۹ باہتمام صاحب ارسطو فطرت فلاطون زمان موسیو شوالیر جنرل کورٹ صاحب بہادر در عیدگاہ بجن خدمت نفضل علی کمیدان شاگرد صاحب ممدوح بہادر ریختہ شد"،

توپ مجنون بفضل سری اکال پور کہ جی مہاراجہ رنجیت سنگھ بہادر دام ملکہ وسلطنتہ سری مہاراجہ صاحب ادھیراج درسنہ ۱۸۸۸، از راجہ بکرماجیت ہذا الضرب موسومہ مجنون حسب الامرا اشرف اقدس اعلیٰ حضور انور ۱۸۹۵ء باہتمام صاحب ارسطو فطرت فلاطون زمان موسیو شوالیر جنرل کورٹ صاحب بہادر در عیدگاہ بجن خدمت نفضل علی کمیدان شاگرد صاحب ممدوح ریختہ شد،

ایک توپ پر کندہ ہے،

ارب سہائے روپ سنگھ وانوپ سنگھ کل تیار شد سنبت ۱۸۵۱

نصرت جنگ نظم

نیست این توپ اژدہائے دہان	از دم خود شرار برق افشان
بہ یک آواز خود کند ناگاہ	بخت دشمن چو دود خویش سیاہ
بے تفتیح قلعہ سخت چو جنگ	زین سبب نام گشت نصرت جنگ

در عہد بادشاہ رنجیت سنگھ بہادر، توپ سردار جیالا سنگھ ٹہرانیہ باہتمام دلیا نبر اسنبت ۱۸۸۸ عمل رام سنگھ

توپ ساز، در سال یک ہزار و ہشتصد و ہشتاد و ہفت اتمام یافت،

شیو لکھی — بفضل سری اکال پورکہ جی از حکم رنجیت سنگھ بادشاہ بہادر فلبند اقبال توپ شیو لکھی کارخانہ دار السلطنۃ لاہور باہتمام جواہر مل سنہ ۱۸۹۳ عمل پسران سدھا سنگھ،

رام بان — ضرب رام بان بفضل سری اکال جی بعہد بادشاہ جمجاہ جدھشٹر زمان کرن دوران مہاراجہ ادھیراج رنجیت سنگھ بہادر خلد اللہ ملکہ مقرب بارگاہ سلطانی مصاحب درگاہ خاص الخاص خاقانی سردار خوشحال سنگھ در سنبت یکہزار و ہشت صد و نود و پنج بکرماجیت مطابق ایک ہزار و دو صد و پنجاہ و چہار ہجری باہتمام بالکی خان (باقی خان) توپ ریز تیار کنانید،

سورج لکھی — از فضل گرو نانک و لطف گوبند سنگھ — واز حکم شاہزادہ کنور نونہال سنگھ
شد توپ نو طیار ظفر جنگ و تشنہ پسند — منصوب توپخانہ جرنیل تیج سنگھ
(ضرب سورج لکھی ساخت لاہور سنہ ۱۸۹۷)

عدو کوب — نفس اکال نظم
از فضل گرو نانک و لطف گوبند سنگھ — ز حکم بادشاہ بہادر رنجیت سنگھ،
شد توپ نو تیار عدو کوب و دوزبان — منصوب توپ خانہ جرنیل تیج سنگھ،
(ساخت دار السلطنت لاہور کارخانہ صوبہ سنگھ سنہ ۱۸۹۰)

اندر بان — بفضل سری اکال پورکہ جی مہاراجہ رنجیت سنگھ بہادر دام ملکہ و سلطنتہ سری مہاراج ادھیراج ہذا الضرب موسوم اندر بان حسب الامر اشرف اقدس در سنہ ۱۸۹۴ء از راجہ بکرماجیت باہتمام صاحب ارسطو فطرت فلاطون فطنت موسیو شوالیر جنرل کورٹ صاحب بہادر ریختہ شد،

توپ اژدہا — سنہ ۱۹۰۲ فتح حضرت مرتبت ساخت، توپ اژدہا، شاق برق، رعد سائی آئین الملک امام الدین بہادر خطابی شاہانہ شاہی (شہنشاہی) سنہ ۱۲۶۱ھ

ایک توپ پر صرف مندرجہ ذیل عبارت ہے، دوسری رام جی سہائے سری راجہ سوچیت سنگھ سنہ ۱۸۸۱ کچھ گورکھی مین بھی لکھا ہے،

توپ راہ بان — نفضل اکال از حکم بادشاہ رنجیت سنگھ بہادر بلند اقبال توپ راہ بان باہتمام جواہر مل کارخانہ صوبہ سنگھ ساخت لاہور سنہ ۱۸۸۶

جنگ جیت — ابتدا مین کچھ گورکھی مین لکھا ہے، اس کے بعد ہے،
"اسم این توپ از سرکار عالی جنگ جیت تحریر بتاریخ سنبت ۱۸۸۲،

جوالا لکھی — بفضل سری اکال پورکہ جی از حکم بادشاہ رنجیت سنگھ بہادر بلند اقبال توپ جوالا لکھی کارخانہ دار السلطنت لاہور باہتمام جواہر مل سنہ ۱۸۹۴ عمل پسران سدھا سنگھ،

خالصہ پسند — بفضل سری اکال پورکہ جی از حکم بادشاہ رنجیت سنگھ بہادر بلند اقبال توپ خالصہ پسند کارخانہ دار السلطنت لاہور باہتمام جواہر مل سنبت ۱۸۹۴ عمل پسران سدھا سنگھ،

ہنونت بان — نفضل اکال از حکم بادشاہ رنجیت سنگھ بہادر بلند اقبال توپ ہنونت بان در کارخانہ صوبہ سنگھ دار السلطنت لاہور سنبت ۱۸۸۶ در تحت تیج سنگھ

شیو درشن بان — نفضل اکال پورکہ جی از حکم بادشاہ رنجیت سنگھ بہادر بلند اقبال توپ شیو درشن بان کارخانہ دار السلطنت لاہور باہتمام جواہر مل سنبت ۱۸۸۷ عمل پسران سدھا سنگھ در تحت تیج سنگھ،

بھرت بان — از فضل گرو نانک و لطف گوبند سنگھ — از حکم بادشاہ بہادر رنجیت سنگھ
شد توپ نو تیار عدو خوار بھرت بان — منصوب توپخانہ سردار تیج سنگھ

رام بان — بفضل سری اکال پورکہ جی ضرب رام بان بعہد بادشاہ جمجاہ جدھشٹر زمان کرن دوران مہاراجہ ادھیراج رنجیت سنگھ بہادر دام اقبالہ حسب الحکم مقرب بارگاہ سلطانی مصاحب درگاہ خاص الخاص خاقانی سردار خوشحال سنگھ در سنبت یکہزار و ہشت صد و نود و پنج بکرماجیت مطابق یک ہزار و دو صد

پنجاہ وچہار ہجریہ باہتمام باکی (باقی) خان توپ ریز تیار کنانید۔[۱]

سلطان شہید ٹیپو کا توپخانہ بارہوین صدی ہجری کے وسط مین ایک جدید طاقت حیدر علی اور فتح علی (ٹیپو سلطان) کے قالب مین نمودار ہوئی ان مین سے حیدر علی کو فتوحات سے بہت کم فرصت ملی مگر اس کے جانشین لائق فرزند فتح علی کو اس کی طرف توجہ کرنے کی کافی مہلت حاصل ہوئی، اس نے فرانسیسی گولہ انداز اور افسر توپ خانہ خاص طور سے مقرر کئے، اس نے مختلف قسم کی توپین بنوائین، اور اس کے لئے اعلیٰ پیمانہ پر کارخانہ قائم کیا تھا، اس کے پاس ۹۲۹ ضرب توپین مختلف قسم کی موجود تھین[۲] کہتے ہین کہ مہاراجہ بڑودہ نے سونے اور چاندی کی ایک ایک توپ بنوائی تھی، جس کو دیکھنے کیلئے دور دور سے سیاح آتے تھے،

۱؎ تاریخ پنجاب ص ۵۶ لاہور افسوس ہے کہ ان توپون کی نسبت یہ نہ معلوم ہوسکا، کہ یہ کس قدر وزنی تھین اور انکا دہانہ کتنا تھا، کس قدر بارود اور گولہ اس مین ڈالا جاتا تھا، اس لئے صحیح طور پر یہ اندازہ نہین کیا جاسکتا، کہ میدان جنگ کے لئے یہ کتنی کارآمد تھین، ۲؎ تاریخ ٹیپو سلطان بنگلور،

تاریخ سندھ

مؤلفہ مولانا سید ابو ظفر صاحب ندوی دسنوی سابق رفیق دارالمصنفین اعظم گڈھ

اس مین سندھ کا جغرافیہ مسلمانون کے حملہ سے پیشتر کے مختصر اور اسلامی فتوحات کے مفصل حالات، خلافت راشدہ کے زمانہ سے لیکر آٹھوین صدی ہجری تک سندھ جن جن حکومتون کے ماتحت رہا، ان کی پوری تاریخ اور ان تمام دورون کے نظام حکومت، علمی و تمدنی حالات اور رفاہ عام کے جو جو کام انجام پائے ان سب کی پوری تفصیل ہے،

ضخامت:- ۴۰۰ صفحے، قیمت:- ے؎ "منیجر"

عربی نظم و نثر کی مختصر تاریخ

از

مولانا عبد السلام صاحب ندوی

(۳)

عباسی دور کی شاعری

عربی شاعری خلافتِ عباسیہ کے پہلے دور مین عربی شاعری اگرچہ زمانۂ جاہلیت کے اخیر، زمانۂ اسلام کے آغاز اور حکومت امویہ کے زمانۂ عروج مین انتہائے کمال تک پہنچ گئی تھی، لیکن وہ صرف اہلِ عرب تک محدود تھی، اور عربی شعر کہنے والے اور اس کے سننے والے دونون صرف اہلِ عرب تھے، کیونکہ اہلِ عجم اب تک فصاحت و بلاغت کے اس درجہ تک نہین پہنچے تھے، کہ بادیہ نشین عربی شعراء کا مقابلہ کرسکتے، البتہ بنو امیہ کی حکومت کے دورِ تنزل مین اُن کو اس کا موقع ملا، اور جب خلفائے عباسیہ نے عجمیون بالخصوص ایرانیون پر جو اُن کی خلافت کے داعی تھے نگاہ لطف و کرم ڈالی تو ان کو اپنی عربی شاعری کی داد طلبی کا موقع ملا، اور انھون نے بڑے بڑے صلے پائے، کیونکہ ان کی شاعری مین ایک طرف تو بدویانہ فصاحت پائی جاتی تھی، دوسری طرف تمدنی اختراعات کی جھلک بھی نمایان ہوتی تھی، کوفہ، بصرہ، اور مشرقی شام کے متمدن عربون نے بھی چونکہ عربیت کو تعلیم کے ذریعہ حاصل کیا تھا، اس لئے ان مین بھی یہی دونون خصوصیتین پائی جاتی تھین، اسی لئے وہ بھی محدثین اور مولدین کے لقب سے مشہور ہوئے، اس وقت متمدن شعراء نے بادیہ نشین شعراء کا مقابلہ کیا، اور اعیانِ سلطنت نے اُن کو اپنا مصاحب اور ہمنشین بنالیا، اور متعدد

شعراء مثلاً محمد بن عبدالملک زیات، مسلم بن ولید اور ابوتمام نے اس قدر ترقی کی، کہ وزارت اور صوبہداری کے
درجہ تک پہنچ گئے، رفتہ رفتہ اس دور کے وسط مین صحرانشین بدوؤن کی شاعرانہ آواز بالکل پست ہوکر رہ گئی
دورِ اول کے تمام خلفاء عباسیہ نے شعر وشاعری کی قدردانی کی، اور اس کے لئے سالانہ مجلسین منعقد کرنے لگے
اور شعراء کے قصائد پر انعام اور صلے دینے لگے جس کا مقصد یہ تھا، کہ عربیت کے تمام عمدہ اوصاف قائم رہین
ان کے ایرانی وزراء وعمال نے بھی اس کی تقلید کی، یہان تک کہ ان مین بہت سے ادیب اور شاعر پیدا
ہوگئے، اگرچہ اس دور مین شعراء مولدین نے شاعری کے اغراض، مضامین اور اسلوب بیان مین بہت سی
جدتین اور لطافتین پیدا کین، لیکن قصیدہ کی بنیاد جن چیزون پر زمانۂ جاہلیت مین قائم تھی، اس کو بعینہٖ
قائم رکھا، قصیدہ کو ایک ہی وزن اور ایک ہی قافیہ کی پابندی کے ساتھ کہتے تھے، اگرچہ ان مین کسی
شاعر نے صحرانوردی اور اونٹ کی سواری نہین کی تھی، تاہم قصائد کی تشبیہون مین معشوق کے اجڑے ہوئے
کھنڈر، اونٹنی کے اوصاف، صحرانوردی، اور سیر وشکار وغیرہ کے واقعات بیان کرتے تھے، اور ان کا
مقصد صرف وطن کی یاد کا تازہ کرنا اور شعر مین بدویانہ خصوصیات کا قائم رکھنا تھا، بااین ہمہ بعض عربی
شعراء مثلاً ابونواس نے اس کی پابندی نہین کی، اور جو شعراء اس کے پابند تھے، ان پر نکتہ چینی کی، اور
اس کے بدلے قصائد کی ابتداء، شراب وکباب یا محلون اور باغون کے اوصاف سے کی، اور اونٹنی کی
جگہ کشتیون کی سواری کا ذکر کیا، اور اس معاملہ مین بہت سے شعراء نے اس کی تقلید کی،

بہرحال خلافتِ عباسیہ کے دو پہلے دورون مین شاعری کے اغراض اسلوب بیان اور وزن
وقافیہ مین جو تغیرات پیدا ہوئے اُن کی تفصیل یہ ہے:-

اگرچہ زمانۂ جاہلیت مین جن اغراض کے ماتحت شعر کہے جاتے تھے، وہ اس دور مین بھی باقی رہین
لیکن اس دور مین اُن کی ایک خاص شکل قائم ہوگئی، یا کثرت سے ان اغراض کے ماتحت شعر کہے گئے،
چنانچہ جن اغراض نے ایک خاص شکل اختیار کرلی، یا اُن کے ماتحت بہ کثرت شعر کہے گئے، وہ حسب ذیل ہین:

۱- **عصبیت** زمانۂ جاہلیت مین عصبیت صرف بعض قبائل تک محدود تھی، اور یہی قبائل باہمی
مفاخرت کے ذریعہ اس کا اظہار کرتے تھے، لیکن اس زمانہ مین اہلِ عرب اور اہلِ عجم کے درمیان بھی عصبیت
پیدا ہوئی، اور فرقہ شعوبیہ نے شاعری کے ذریعہ اس کا اظہار کرنا شروع کیا، حالانکہ بنو امیہ کے دور مین وہ
اس قسم کی عصبیت کا اظہار نہین کر سکتے تھے، اہلِ علم مثلاً بصرہ اور کوفہ کے نحویون اور اہلِ مذہب یعنی فقہا
اور متکلمین کے درمیان بھی عصبیت پیدا ہوئی،

۲- **سیاست**: اس دور مین شاعری کا استعمال سیاسی اغراض سے بھی کیا گیا، اس دور سے
پہلے علویون اور عباسیون مین کوئی سیاسی اختلاف نہ تھا، بلکہ دونون بنو امیہ کے مخالف تھے، اور دونون
کو ہاشمی گروہ کہا جاتا تھا، لیکن اس دور مین دونون مدمقابل پارٹیان ہوگئین، اور دونون کی تائید
ومخالفت مین شعر کہے گئے، کسی عباسی خلیفہ یا کسی ولی عہد کی تائید بھی اس کے حریف کے مقابلہ مین
شاعری کے ذریعہ سے کی گئی، خلافتِ عباسیہ مین اہلِ عجم کو اہلِ عرب پر جو ترجیح دی گئی تھی، اور حکومت
کے بڑے بڑے عہدے جو ان کو دیئے گئے تھے، اس پر بھی شاعری کے ذریعہ سے تنقید کی گئی،

۳- **وصف نگاری** اس مین بہت زیادہ تنوع پیدا ہوا، اور اس کی مختلف شکلین قائم ہوئین
مثلاً محلون، باغون، رنگین مجلسون، کارخانون، مچھلی اور چڑیون کی شکارگاہون، مختلف قسم کی کشتیون
قدرتی مناظر، آثارِ قدیمہ اور نفسانی حالات پر نظمین لکھی گئین،

۴- **زندی وہوسناکی**، اگرچہ بنو امیہ کے دور مین بھی کسی قدر ان خیالات کی جھلک نظر آتی ہے
لیکن جس بے باکی کے ساتھ عباسی دور مین ابونواس وغیرہ نے اس قسم کے خیالات شاعری مین ظاہر کئے،
اس کی نظیر اموی دور مین نہین مل سکتی،

۵- **حکیمانہ خیالات**، اگرچہ زمانۂ جاہلیت، آغازِ اسلام، اور بنو امیہ کے دور مین بھی اس قسم
کے حکیمانہ خیالات بعض قصائد مین پائے جاتے ہین لیکن عباسی دور مین جب یونان، ایران، اور ہندوستان

کے فلسفہ کا ترجمہ عربی زبان مین ہوا، تو شعرا نے اُن کے بہت سے مسائل کو شاعری مین داخل کیا، اور خود بھی بہت سے فلسفیانہ خیالات پیدا کئے، اس قسم کے شعرا مین صالح بن عبد القدوس اور ابو تمام زیادہ مشہور ہین،

ان کے علاوہ شاعری کے جو نئے نئے اغراض پیدا کئے گئے، اُن کی تفصیل یہ ہے،

۱- **امرد پرستی** اہلِ عرب اس ذوق سے بالکل ناآشنا تھے، اس کی ابتدا عجمی نژاد بدکارون نے کی، اور جو اہلِ عرب اُن سے میل جول رکھتے تھے، وہ بھی ان کے متعدی اثر سے اس مرض مین مبتلا ہو گئے، رفتہ رفتہ یہ فتنہ بہت زیادہ پھیل گیا، اور سب سے زیادہ ابو نواس اور حسین بن ضحاک وغیرہ نے اس کے پھیلانے مین حصہ لیا،

۲- **خمریات** بعض شعرائے جاہلیت کے کلام مین شراب و کباب کے مضامین پائے جاتے ہین لیکن جب اسلام نے شراب نوشی کی ممانعت کی، تو صرف بعض عیسائی شعرا مثلاً اخطل نے اس قسم کے مضامین باندھے، اس کے بعد حکومت بنو امیہ کے آخری دور مین بعض رندفراج امرا نے شراب و کباب کے متعلق چند قطعات لکھے، اور غلط یا صحیح طور پر ان مین بعض قطعے ولید بن یزید کی طرف منسوب کئے گئے، اور خود اس کے خاندان کے بعض حریفون نے خصوصاً اور بنو امیہ کے دشمنون نے عموماً اس کے بدنام کرنے کے لیے یہ طریقہ اختیار کیا، لیکن خلافتِ عباسیہ کے ابتدائی دور مین جب اہلِ عجم کو پوری آزادی حاصل ہوئی، تو بہت سے عجمی شعرا نے اس لے کو بہت بڑھا دیا، اور شراب و کباب کے ذکر مین اس قدر غلو کیا، جس کی نظیر دورِ جاہلیت اور دورِ اسلام مین نہین پائی جاتی، خلفا اور امرا نے اگرچہ اس کو روکنا چاہا، اور ان شعرا کو قید و بند کی سزائین بھی دین، لیکن اس کا کچھ اثر نہین ہوا، یہان تک کہ جو لوگ خود شراب نہین پیتے تھے، وہ بھی رنگینی کلام کے لئے اس قسم کے اشعار کہنے لگے، سب سے زیادہ ابو نواس نے اس صنعت کو ترقی دی اور اس کے بعد اور لوگون نے بھی اس کی تقلید کی،

۳- **زہدیات**، اس قسم کی شاعری مین دنیا اور دنیوی عیش پرستیون کی بے ثباتی، موت کا ذکر اور شہوت پرستی اور لذت پرستی کی ممانعت کی جاتی تھی، اور وہ فقہا، علما، متکلمین، محدثین اور زہد پیشہ لوگون کے خیالات کی اشاعت کا ایک ضروری آلہ تھی، اور یہ لوگ اس کے ذریعہ سے بدکار شاعرون اور انشا پردازون کی مخالفت کرتے تھے، اس میدان کا سب سے بڑا شہسوار ابو العتاہیہ تھا، اگرچہ ابو نواس وغیرہ نے بھی اس قسم کے بہت سے قصائد لکھے، لیکن اس کا مقصد صرف یہ ظاہر کرنا تھا کہ یہ لوگ بھی ہر صنف مین شعر کہہ سکتے ہین، ورنہ ان کی شاعری مین خلوص نہین پایا جاتا تھا،

۴- **تہذیب اخلاق**، اس دور مین نوجوانون کی اخلاقی اصلاح کے لئے جانورون اور انسانون کی زبان مین بہت سے قصے اور حکایتین نظم کی گئین، اور سب سے پہلے ابان اللاحقی نے برامکہ کے لئے کلیلہ و دمنہ کو نظم کیا، اور اس پر برامکہ نے اس کو بڑا صلہ دیا، اور اس کے بعد اور لوگون نے اس کی تقلید کی،

۵- **مذہبی اور علمی شاعری**، اس کے ذریعہ سے فقہ اور دوسرے علوم کے مسائل نظم کئے گئے، اور اس سے علوم کے حفظ کرنے مین آسانی پیدا ہوئی، اور اب تک اہلِ مشرق اور اہلِ مغرب اس سے فائدہ اٹھا رہے ہین،

ان اغراض سے زیادہ تمدن اور خوش مذاقی کا اثر الفاظ کے انتخاب، اسلوب بیان اور مطالب و معانی کے طریقۂ ادا پر پڑا، کیونکہ بدیہہ گوئی کا رواج کم ہو گیا تھا، لوگ غور و فکر اور کانٹ چھانٹ سے زیادہ کام لینے لگے تھے، اور خلفا، وزرا اور ولاۃ کی مدح، اُن کے مرثیون اور فخریہ شاعری مین نرم اور آسان زبان استعمال کرتے تھے، اور ہزل و ظرافت کے علاوہ الفاظ کی جزالت اور متانت کو بھی قائم رکھتے تھے، البتہ عجمی شعرا نے کھانے پینے، وضع و لباس، ظروف اور سامان آرائش وغیرہ کے متعلق شاعری مین بہت سے فارسی اور دیہاتی الفاظ شامل کر دیئے، جو خلافتِ عباسیہ کے ابتدائی دور مین معرب تسلیم کئے گئے، اور فصحا اُن کو استعمال کرنے لگے، لیکن جب شہرون کی زبان خراب

ہوگئی، تو ان کو غیر فصیح قرار دیا گیا، ابو نواس نے جو شعوبی فرقہ سے تعلق رکھتا تھا، اس قسم کے الفاظ زیادہ استعمال کئے،

اسی طرح ان شعراء نے علم کلام کے بعض الفاظ اور اسالیب بیان اور قرآن وحدیث اور اشعار عرب کی عمدہ تشبیہات کا استعمال کیا، اور اس کا نام بدیع رکھا، سب سے پہلے بشار نے اس کی ابتدا کی، اس کے بعد مسلم بن ولید نے اس کا بہت زیادہ استعمال کیا اور ان تکلفات کی بنا پر اہل ادب کے نزدیک سب سے پہلے اس نے شاعری کو خراب کیا، ابو تمام نے اس مین اور بھی زیادہ غلو کیا، پھر بعد کے شعراء نے اس کی تقلید کی، اور اس کی اور بھی بہت سی قسمین پیدا کین، جن سے اہل عرب ناواقف تھے،

اشعار کے معانی ومطالب مین بہت زیادہ نزاکت، خیال رنگینیان اور تشبیہات واستعارات مین ترکیب پیدا ہوگئی، اور ابو تمام اور ابن رومی وغیرہ کا کلام جو مامون اور اس کے بعد کے زمانے مین پیدا ہوئے، فلسفیانہ اور منطقیانہ روح کا منظر بن گیا، اور چونکہ شعراء مذہبی روح کے اثر سے خالی تھے، اس لئے انھون نے ممدوحین کے اوصاف مین اس قدر مبالغہ سے کام لیا، کہ ان مین خدا اور پیغمبرون کے اوصاف ثابت کئے، اس کے بعد شاعری کی ہر صنف مین اس قسم کا غلو پیدا ہوگیا،

وزن اور قافیہ کے لحاظ سے اس زمانہ مین ایسی چھوٹی چھوٹی بحرون کا رواج ہوا جن کو اہل عرب نے بہت کم استعمال کیا تھا، اس کے علاوہ بعض نئی نئی بحرین ایجاد کین، جو اہل عرب کے کلام مین موجود نہین تھین، مثلاً شعر مزدوج جس کے دو ٹکڑے ایک قافیہ پر پھر دوسرے دو ٹکڑے ایک قافیہ پر نظم کئے جاتے تھے، اور اس کا زیادہ تر استعمال امثال، قصہ حکایت، اور علوم اور فقہ کے اصول وقواعد کے نظم کرنے مین کیا جاتا تھا، موالیا کے نام سے شاعری کی ایک عامیانہ صنف بھی ایجاد ہوئی، اور سب سے پہلے برامکہ کی ایک لونڈی نے ان کے مرثیہ مین اس کا استعمال کیا،

نثر انشاپردازی

اس سے عام بول چال کی زبان مقصود نہین، بلکہ وہ تحریری زبان مقصود ہے جس سے اصل مقصد کو ایسی انشاپردازانہ عبارت مین ظاہر کیا جاتا ہو، جو ایک دلفریب صورت مین دل پر خوشی یا عجوبگی کا اثر ڈالتی ہے، اور اس مین حسب ذیل تحریرین داخل ہین،

۱۔ شاہی خطوط جو حکومت کے دفتر خطوکتابت کے سلسلہ مین روانہ کئے جاتے تھے،

۲۔ دوستانہ خطوط جو بعض دوست دوسرے دوست کو تہنیت، تعزیت یا سفارش کے لئے لکھتے تھے،

۳۔ طویل ادبی رسالے جن کو بعض انشاپرداز حکومت یا رعایا کے بعض معاملات یا کسی مذہب کی تائید یا کسی فریق کو دوسرے فریق پر فضیلت دینے یا محض دلچسپی کے لئے لکھتے تھے، مثلاً قصے، مقامات، سیر واخبار، اور کہانیان وغیرہ علمی تحریرین، جو علمی طرز پر علمی اصطلاحات کے ساتھ لکھی جاتی ہین، اور اس مین ترتیب عقلی اور قیاس منطقی کا لحاظ رکھا جاتا ہے، اور عبارت مین حشو وزوائد نہین ہوتا، وہ اس سے الگ ہین، اور ان کو تصنیفی طرز تحریر کہا جاتا ہے، لیکن مورخین ادب صرف انشاپردازانہ طرز تحریر کی خصوصیات سے بحث کرتے ہین، اور علمی طرز تحریر کو نظر انداز کر دیتے ہین، کیونکہ انشاپردازانہ طرز تحریر مین حسن وجمال پایا جاتا ہے، اور اس سے دل کو انبساط حاصل ہوتا ہے، اسلئے عباسی دور مین انشاپردازانہ تحریرون مین جو خصوصیات پیدا ہوئین، ہم اجمالی طور پر انھی کے بیان کرنے پر قناعت کرتے ہین،

بنو امیہ کی خلافت کے آخری دور مین سالم اور عبد الحمید کے انشاپردازانہ طرز تحریر نے انشاپردازی کو ایک محبوب ترین فن بنا دیا تھا، اس لئے ان کی جماعت کے جن لوگون نے عباسی خلافت کا زمانہ پایا، انھون نے اس کو اور بھی زیادہ ترقی دی، اور وہ فنون ادبیہ مین ایک شریف ترین فن بن گیا، اور ایسے ایسے نامور انشاپرداز پیدا ہوگئے، جن کا پلہ نامور شعراء سے بھی بھاری ہوگیا، کیونکہ نثر کی ان انشاپردازانہ

عبارتون مین دو خوبیان پائی جاتی تھین، ایک تو یہ کہ وہ تمدنی اور دفتری دونون ضرورتون کو پورا کرتی تھین، دوسرے یہ کہ عربی زبان کے جمال و کمال کا مظہر ہوتی تھین، اور شاعری صرف اس دوسری صورت تک محدود تھی، اس زمانہ مین انشا پردازی اس درجہ تک مختلف اسباب سے پہنچی،

(۱) ایک یہ کہ بہت سے اہلِ عرب اور وہ لوگ جو عرب تو نہ تھے لیکن عرب بن گئے تھے، قرآن مجید کو حفظ کرنے لگے، اور اپنے کلام مین اُس کی آیتون کے ٹکڑے شامل کرنے لگے، اور معانی اسلوب بیان اور امثال و تشبیہات مین اسکی پیروی کرنے لگے.

(۲) دوسرے یہ کہ ان لوگون نے حدیث، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خلفائے راشدین، اُن کے گورنرون، سپہ سالارون کے خطوط، خلفائے بنو امیہ، اور خوارج وغیرہ کے خطبات کا اکثر حصہ یاد کر لیا، چنانچہ جب عبد الحمید کاتب سے پوچھا گیا، کہ تم نے یہ بلاغت کیونکر حاصل کی، تو اُس نے کہا اس لئے کہ مین نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے کلام کو ازبر کر لیا تھا،

(۳) تیسرے یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے بنو امیہ اور اُن کے گورنرون نے معاہدات صلح وغیرہ کے متعلق جو تحریرین لکھی تھین، اُن کو اُن لوگون نے حفظ کر لیا تھا، اور ان تحریرون مین بہت سی بلیغ نصیحتین اور سیاسی شرعی احکام موجود تھے،

(۴) چوتھے یہ کہ ان لوگون نے اُن اسلامی آداب کا جو قرآن، حدیث اور ان خطبات اور تحریرون مین جن کا ذکر اوپر کیا گیا، موجود تھے، اور تمدن، قومون مثلاً ایرانی، ہندو رومی، یونانی کلدانی، وغیرہ کی علمی و ادبی ترقیون کا مطالعہ کر لیا تھا اس لئے ان مین ایک مخلوط تہذیب پیدا ہو گئی، جو اسلامی روح کا مظہر بن گئی، اور خلفاء، وزراء، اور اس زمانہ کے مورخین اور ادبا کی انشا پردازانہ تحریرین ان سب کا مرقع بن گئین،

اس زمانہ کی انشا پردازی جس درجۂ کمال کو پہنچ گئی، اوس کا اندازہ ان مختلف موضوعات سے بھی ہو سکتا ہے جن کے متعلق یہ تحریرین لکھی جاتی تھین مثلاً

(۱) سرکاری تحریرین یعنی خلفاء اور ولی عہدون کے بیعت نامے اور سیاسی اور دفتری فرمان وغیرہ

(۲) بعض سیاسی اور دینی یا حکومت کے سیاسی مسلک کی تائید،

(۳) پاکیزہ اخلاق کی ترغیب،

(۴) ایک گروہ کو دوسرے گروہ پر ترجیح دینا،

(۵) قصے، کہانیان، اور جانورون وغیرہ کی زبان سے حکایتین بیان کرنا،

(۶) کسی ماہر فن یا کسی مذہب کے مُبلّغ یا کسی باپ کا اپنے بیٹے یا شاگردون یا اوس مذہب کے معتقدین کے لئے ہدایتین دینا یا نصیحتین کرنا،

الفاظ، معانی اور اسالیب بیان مین اس طرزِ تحریر کی امتیازی خصوصیات یہ ہین،

(۱) لمبے لمبے خطوط، معاہدات اور فرمانون کی ابتدا مین مقدمات قائم کرنا جس کا اثر اب بھی باقی ہے،

(۲) خطوط کی ابتدا مین مختلف النوع عبارتون سے کام لینا مثلاً لمبے لمبے شاہی خطوط مین مختلف الفاظ مین خدا کی حمد کرنا اور چھوٹے چھوٹے خطوط مین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خطوط کی نقل کرنا مثلاً من عبد اللہ فلان امیر المومنین الی فلان ومن قبلہ من المسلمین سلام علیک، امّا بعد فانّی احمد الیک اللہ الذی لا الٰہ الّا ھو،)

ہارون رشید نے حمد کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے کا طریقہ بھی اختیار کیا، اور امین نے خلیفہ کی کنیت کا بھی اضافہ کیا، کبھی صرف "اما بعد" سے خطوط کی ابتدا کرتے تھے، کبھی مکتوب لیہ کو دعا بھی دیتے تھے، اور بعض اوقات صرف اس قدر لکھتے تھے کہ "کتابی الیک"

(۳) آسان اور فصیح الفاظ کا انتخاب کرنا اور اُن کو عمدہ طریقہ سے ترکیب دینا،

(۴) حسب موقع ایجاز و اطناب سے کام لینا،

(۵) نزاکت خیال اور دلائل و نتائج و احکام کے دلنشین کرنے کے لئے علم فلسفہ و منطق سے کام لینا.

اس دور کے مشہور انشا پردازون کے نام یہ ہین، ابن المقفع، احمد بن یوسف، عمرو بن مسعدہ،

عربی شاعری اندلس مین اہلِ عرب نے اندلس کو ۹۲ھ مین فتح کیا، اور فتح کے بعد اُن کے جو قبیلے اور خاندان، مصر، شام، اور آفریقہ کے شہرون مین رہتے تھے، وہ ہجرت کرکے اندلس مین آباد ہوگئے، بنو امیہ کے گورنرون نے تقریباً چھیالیس سال یعنی ۹۲ھ سے ۱۳۸ھ تک اندلس پر حکومت کی، اور یہ زمانہ فتوحات، بغاوت اور شورش مین بسر ہوا، اس لئے عقلی زندگی، اور عربی زبان کو اس زمانہ مین ترقی کرنے کا موقع نہین ملا، اس زمانہ مین صرف چند تقریرون مین ادبی روح پائی جاتی ہے جن کو وہان کے گورنر فوج مین شجاعت کے پیدا کرنے اور انتظامی امور مین اُن کو ثابت قدم رہنے کے لئے کرتے تھے، ان کے علاوہ بعض خطوط بھی تھے جن کو امراء سپہ سالارون وغیرہ کے نام لکھتے تھے، مجلسون اور محفلون کی عام گفتگو بھی زیادہ تر فصیح عربی زبان مین کی جاتی تھین، اور اندلس کے جو باشندے تعلیم کے ذریعہ سے عربی زبان سیکھتے تھے، وہ بھی اس معاملہ مین اہلِ عرب کی تقلید کرتے تھے،

اندلس کے آخری باغی امیر یوسف بن عبد الرحمٰن فہری سے جب عبد الرحمان بن معاویہ بن ہشام بن عبد الملک الملقب بالداخل" نے (۱۳۸ھ) سلطنت چھین لی، تو وہان بنو امیہ کی دوسری سلطنت قائم کی، اور عربی زبان عربی لغت اور شریعت کی اشاعت کا کام شروع کردیا، اور اس کے بعد اس کی آل و اولاد نے بھی اس کی تقلید کی، اب اندلس مین علمی ترقی کا دور شروع ہوا، جو عبد الرحمان ناصر کے زمانہ (۳۰۰ھ تا ۳۵۰ھ) مین اپنے اوجِ کمال کو پہنچ گیا، اس وقت اندلس مین بہ کثرت شاعر، ادیب، انشا پرداز اور مصنف پیدا ہوگئے، خلفائے بنو امیہ مشرق کے شہرون یعنی بغداد وغیرہ مین اہلِ علم اور اہلِ ادب کو اس لئے بھیجتے تھے، کہ وہ اہلِ مشرق کے علوم کو سیکھ کر آئین، اور اندلس مین اُن کی اشاعت کرین، اس لئے لوگ لغت ادب اور دینی علوم کی طرف نہایت کثرت کے ساتھ متوجہ ہوئے، عبد الرحمان ناصر اور اس کے فرزند حکم مستنصر نے اس طرف اس قدر توجہ کی کہ ہارون رشید اور

اس کے فرزند مامون رشید کا ہمسر ہوگیا، اور کتابون کے جمع کرنے اور کتب خانون کے قائم کرنے مین قرطبہ بغداد کا مقابلہ کرنے لگا،

پھر جب اموی سلطنت زوال پذیر ہوئی، تو اندلس کی حکومت کو امراء کی ایک جماعت نے جن کو "ملوک الطوائف" کہتے ہین، باہم تقسیم کرلیا، اور ۴۲۲ھ سے ۴۸۴ھ تک اندلس مین فرمانروائی کی، ان مین شعراء و ادبا بھی تھے جنھون نے ادبی ترقی مین اعانت کی، اس سے پہلے عقلی علوم لغت اور ادب کافی ترقی ہوچکی تھی، اب ان بادشاہون نے شعراء و ادباء کی اور بھی حوصلہ افزائی کی، اور اُن کو وزیر اور امیر بنالیا، اس لئے ادب کی شاخین خوب سرسبز و شاداب ہوئین، اور بہت سے شعر و ادب کے امام پیدا ہوگئے، شاعری تو یون بھی عرب کی گھٹی مین پڑی ہوئی تھی، لیکن جب انھون نے اندلس مین فطری حسن و جمال کو دیکھا تو اس ذوق نے اور بھی ترقی کی، اور اب وہ بدویانہ اور تمدنی دونون قسم کی زندگیون کا منظر بن گئی، اور اس مین فطری حسن و جمال کے ساتھ تمدنی جلوے بھی نظر آنے لگے، اندلس کے تمدن اور فطری حسن و جمال کا اثر شعراء پر بہت زیادہ پڑا، اور انھون نے وصف نگاری مین اسقدر ترقی کی کہ یہ اندلس کی شاعری کی نمایان خصوصیت قرار پائی،

وصف نگاری کے علاوہ اندلس کے شعراء نے اور تمام اصناف شعر مین بھی اہلِ مشرق کا مقابلہ کیا، اور شاعری کی ایک خاص صنف ایجاد کی، جس کو "موشح" کہتے ہین، جس مین ایک قافیہ اور ایک وزن کی پابندی نہین کی جاتی، البتہ اجتماعی اور فلسفیانہ مضامین کے پیدا کرنے مین وہ اہلِ مشرق کا مقابلہ نہین کرسکے، اور ان مین کوئی متنبی، اور معرّی پیدا نہین ہوا،

نثر اندلس مین قدیم امراء کے زمانے مین انشا پردازانہ نثر کی ترقی کے لئے کوئی میدان نہ تھا، کیونکہ اب تک سیاسی اور اجتماعی حالات کو رسوخ و ثبات حاصل نہین ہوا تھا، اس لئے کوئی چیز ایسی نہین پیدا ہوئی تھی، جو اجتماعی یا فنی موضوعات مین انشا پردازی کے ملکہ کو ترقی دیتی، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ

فرمانروایانِ اندلس کے پہلے دور مین نثر صرف ان خطبات اور خطوط مین محدود رہ گئی، جو فوجیون مین شجاعت پیدا کرنے اور امور سلطنت کے انجام دینے کے لئے امرا، عمال فوج کے سامنے دیتے اور لکھتے تھے، اور ان سب مین اس خالص عربی روح کی جھلک پائی جاتی تھی، جو دمشق مین خلفائے بنوامیہ کے زمانہ مین موجود تھی، اس لئے ان مین خالص عربی موضوعات اور لفظ و عبارت مین خالص عربی اسلوب کا لحاظ رکھا جاتا تھا، اور وہ صنائع و بدائع اور تکلف و تصنع سے خالی ہوتی تھین، لیکن جب سیاسی اور اجتماعی حالات نے وسعت اور ترقی حاصل کی ملک مین خوشحالی پھیلی، اور علم و ادب کی اشاعت ہوئی تو انشاپردازانہ نثر کا میدان بھی وسیع ہوا، اور مشرق مین جن موضوعات پر نثر لکھی جاتی تھی، اندلسیون نے بھی ان پر لکھنا شروع کیا، اور اُس کے ساتھ اندلسیون نے نثر کے لئے بعض ایسے موضوع ایجاد کئے جو مشرق مین موجود نہ تھے، مثلاً نثر مین خلفار کی مدح کرتے تھے، اور تہنیت، تعزیت، اور شوق و ناراضی کا اظہار کرتے تھے، جس سے وصف نگاری کے تمام اقسام نثر مین آگئے تھے، مثلاً مجالس محافل، بالخصوص رقص و سرود کی مجلسون باغون چشمون، ستارون اور آسمانون کے اوصاف نثر مین بیان کرتے تھے، زہد و تقوی اور تصوف کے مضامین بھی نہایت انشاپردازانہ عبارت مین لکھے تھے، اس لئے اُن کی تحریرون کے ہر جملہ مین استعارہ اور تشبیہ پائی جاتی تھی، اور سب سے زیادہ مقفی عبارتون کا رواج تھا،

بے خوف زندگی

از

جناب ڈاکٹر میر ولی الدین صاحب صدر شعبہ فلسفہ جامعہ عثمانیہ

جائے روح پاک علیین بود   کرم باشد کش وطن سرگین بود! (رومی)

آیئے آپ کو بے خوف زندگی بسر کرنے کے وہ گر بتلائین جنھین صوفیہ کرام نے اپنے ذوق و وجدان سے دریافت کیا ہے، اگر آپ انھین سمجھ لین اور ان پر عمل کرین تو آپ اپنی زندگی کو لاخوف علیھم ولا ھم یحزنون کا مصداق بنا سکتے ہین اور خوف و حزن سے نجات حاصل کر کے بے خوف و مطمئن زندگی بسر کر سکتے ہین

زین شہد یک انگشت رسانم بلبت   از لذت اگر محو نگردی تف کن

یہ تو آپ جانتے ہی ہین کہ صوفیۂ کرام کی زندگی حق تعالیٰ ہی کے قرب مین بسر ہوتی ہے، وہ حق تعالیٰ ہی کے لئے جیتے ہین، اور انہی کے لئے مرتے ہین، جیسا کہ عارف رومی نے کہا ہے:-

بہر یزدان می زید نے بہر گنج   بہر یزدان می مرد نز خوف و رنج

آنکہ ان خندد کہ او بیند رضا   ہمچو حلوائے شکر او را قضا

ظاہر ہے کہ بے خوف زندگی کے حصول کا اُن کے ہان صرف ایک ہی طریقہ ہو سکتا ہے، اور وہ یہ کہ قرب حق مین زندگی بسر کی جائے، اور اس امر کا یقین پیدا کیا جائے کہ ہماری زندگی مین حق تعالیٰ ہی کی مراد اور ان ہی کے منشار کی تکمیل ہو رہی ہے، اور یہ منشار یا مراد خیر پر ترین ہے،

عمر خوش در قرب جان پروردن است   عمر زاغ از بہر سرگین خوردن است (رومی)

اس مضمون میں ہم اسی اجمال کی تفصیل بیان کریں گے،

صوفیہ کا یہ یقین قرآنی تصور پر مبنی ہے کہ حق تعالیٰ ہم سے قریب ہیں، اقرب ہیں، ہم پر محیط ہیں، ہمارے ساتھ ہیں، وہ ہم سے غائب نہیں، بعید نہیں، اِنَّ رَبِّیْ قَرِیْبٌ مُّجِیْبٌ "میرا رب مجھ سے قریب اور میری دعاؤں کا قبول کرنے والا ہے" اِنَّهٗ سَمِیْعٌ قَرِیْبٌ "بےشک وہ مجھ سے قریب ہے، اور میری سنتا ہے"

جب کسی اعرابی نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ کیا ہمارا رب نزدیک ہو کر ہم اس سے سرگوشی کریں یا دور ہے، جو ہم اس کو پکاریں تو جواب میں یہ آیت نازل ہوئی،

وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ	جب میرے بندے تجھ سے میرے متعلق سوال
قَرِیْبٌ،	کریں تو اُن سے کہہ میں قریب ہی تو ہوں،

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ہم ایک سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، لوگ بلند آواز سے تکبیر کہنے لگے، تو آپ نے فرمایا،

یا ایھا الناس اربعوا علی انفسکم	یعنی اے لوگو! اپنی جانوں پر نرمی کرو،
انکم لا تدعون اصما ولا غائبا	(یعنی آہستہ کہو) تم کسی بہرے اور غائب کو
انکم تدعون سمیعا بصیرا	نہیں پکار رہے ہو تم پکار رہے ہو سننے اور
وھو معکم، والذی تدعونہ	دیکھنے والے کو جو تمہارے ساتھ ہے، اور تم
اقرب الی احدکم من عنق	جس کو پکار رہے ہو، وہ تمہارے اونٹ کی گردن
راحلتہ،	سے بھی زیادہ قریب ہے،

یہ حدیث "وما کنا غائبین" کی تفسیر ہے، اور "فانی قریب" کی تشریح ہے،

خواب جہل از حرم قرب مراد ور فگند	ورنہ نزدیک تر از دوست کسے ہیچ ندید

اس معرفت کے حصول کے بعد جو وراء طور عقل و نظر ہے، جس کی سند نص قطعی و کشف صحیح ہے[1] اور

[1] مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی جلد اول مکتوب ۲۵،

یہ معلوم کرنے کے بعد کہ قرب حق بغیر اختلاط و حلول و اتحاد[1] ہمیں حاصل ہے، صوفیۂ کرام نے قرب حق کے دو پہلوؤں پر فکر کرنے ان کا تحقق حاصل کرنے اور ان پر قلب کی قوتوں کو مرکوز کرنے کی ہدایت کی ہے، جس کی وجہ سے روح کو چین اور قلب کو طمانیت حاصل ہوتی ہے، اور خوف و حزن سے قطعی طور پر نجات مل جاتی ہے، اور وہ دو پہلو رحمت و حکمت کے ہیں،

(۱) قرب حق رحمت ہے، رحمت حق ہمیں کوئی گزند یا نقصان نہیں پہنچا سکتی، نقصان پہنچانا ہرگز نہیں چاہتی، اور نہ غیر کو نقصان پہنچانے دیتی ہے، حق تعالیٰ تو علیم و رحیم ہیں، غفور و کریم ہیں، اِنَّ اللّٰهَ بِکُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ وہ تو ہمیں سلامتی امن و رحمت ہی کی طرف بلاتے ہیں، اللّٰهُ یَدْعُوْا اِلٰی دَارِ السَّلٰمِ ان کا فضل و کرم عظیم ہے، وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ وہ ہمارے سچے دوست ہیں، اَللّٰهُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا! اگر ہم اس بنیادی واقعہ کو یاد رکھیں، فراموش نہ کریں، بھلا نہ دیں، اُن کے سایہ رحمت میں زندگی بسر کریں اور اُن کی یاد میں رہیں تو کوئی چیز ہمیں نقصان نہیں پہنچا سکتی، کیونکہ رحمت حق کا مقابلہ کوئی چیز نہیں کر سکتی، حق کے مقابلہ میں کونسی قوت آسکتی ہے،!

لیکن ہماری زندگی ذہول و غفلت میں گذرتی ہے، معصیت و نافرمانی میں بسر ہوتی ہے، حق تعالیٰ یار مہربان کی طرح ہمارے جویا ہوتے ہیں، اور ہم گدھوں کی طرح ان سے بھاگتے ہیں، اور بلاؤں اور آفتوں کا شکار ہوتے ہیں،

تو مرا جویا چو یار مہربان	من گریزان از تو مانند خران	(رومی)

جب خوف و حزن آفات و بلیات کا سامنا ہو اور ہم قرب حق کا ارادہ قائم کر سکیں، قلب کو اس واقعہ کا یقین دلا سکیں، کہ حق تعالیٰ ہمارے ساتھ ہیں، اپنی رحمت کاملہ کے ساتھ ہمارے قریب ہیں، مونس و رفیق ہیں، یار مہربان ہیں، ہماری قوت بازو اور ہماری پناہ گاہ ہیں، سہارا ہیں،

[1] شیخ علی المہائمی در تفسیر القرآن المسمی بہ تبصیر الرحمٰن ص ۳۱۹

وہی حق تعالیٰ جن کے حضور میں رات کی سیاہی اور دن کی روشنی آفتاب کی شعاع اور چاند کا نور درخت کے جاندار اور پانی کے حیوان سجدہ ریز ہیں، جو محسن و مکرم و منعم ہیں جو حرز ضعفا ذکر فقرا ہیں! تو بھلا بتلاؤ کہ اس ادراک کے بعد قلب میں خوف باقی بھی رہ سکتا ہے، حاشا وکلا! قرآن کریم نے ببانگ دہل اعلان کیا ہے کہ اس ادراک یا ذکر کے بعد قلب کا اطمینان قطعی ویقینی ہے،

الَّذِينَ آمَنُوا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوبُهُم بِذِكْرِ اللَّهِ أَلَا بِذِكْرِ اللَّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ، — جو لوگ ایمان لائے اور اللہ کے ذکر سے ان کے دلوں کو اطمینان ہوتا ہے، خوب سمجھ لو کہ اللہ کے ذکر سے دلوں کو اطمینان ہوتا ہے

ذکر توجہ قلبی ہی کا تو نام ہے، حق تعالیٰ کی طرف، ان کی رحمت ومحبت کی طرف قلب نے توجہ کی، اس امر کا ادراک کیا، کہ یہ رحمت ہم پر ہر جانب سے محیط ہے، کہ خوف دور ہوا اور طمانیت نصیب ہوئی اور زندگی کے میدان میں قدم اعتماد واطمینان کے ساتھ بڑھنے لگے، کیونکہ اب ہمیں یقین ہوگیا، اور ہم نے محسوس کرلیا کہ رحمت حق ہمارے سامنے ہے! وکان بالمومنین رحیما!

لیکن خوف وخطرے کے وقت رحمت کا ادراک اور اس کا تحضر وتحقق کوئی ایسی چیز ہی نہیں، جو سہولت کے ساتھ حاصل ہوسکے، اگر ہم نے راحت وآسودگی کے وقت فراغت وطمانیت کی حالت میں حق تعالیٰ کی معیت کا ادراک قائم نہ رکھا ہو، تو خوف ومصیبت کے وقت ہم اس معیت کا ادراک نہیں قائم کرسکتے، اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہمیں نہایت بےرحمی کے ساتھ دشمن کے حوالہ کردیا گیا، ہم اس لئے یہ ضروری ہے کہ ہم اپنی توجہ ہر حالت میں خواہ وہ نعمت وراحت کی ہو، یا بلا ومصیبت کی حق تعالیٰ کی جانب لگائے رکھیں، ان کی یاد میں زندگی بسر کریں، ان کی معیت کا ادراک کرتے رہیں، حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن عباسؓ کو اس بنا پر نصیحت فرمائی تھی، کہ

اُذْكُرِ اللَّهَ فِي الرَّخَاءِ يَذْكُرْكَ فِي الشِّدَّةِ، — اللہ کی یاد چین کی حالت میں کرو وہ تجھ کو سختی کی حالت میں یاد کرے گا یعنی تیری مصیبت دور کرے گا،

جب انسان آسائش اور چین کی حالت میں حق تعالیٰ کی یاد نہیں بھولتا، تو حق تعالیٰ بھی اس کو خوف ومصیبت کی حالت میں نہیں بھولتے، اس لئے تاکید کے ساتھ حکم ہوا ہے،

فَلْيُكْثِرِ الدُّعَاءَ عِنْدَ الرَّخَاءِ، — چین اور آسائش کے وقت زیادہ دعا کرتے رہو

جانتے ہو کہ چین کی حالت میں دعا کا کیا مطلب ہے، صرف یہ ادراک کہ ہر نعمت دراصل حق تعالیٰ ہی کی طرف سے عطا کی جاتی ہے، وَمَا بِكُم مِّن نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللَّهِ حقیقت میں منعم، قاسم، فاعل مسبب وموجد حق تعالیٰ ہی ہیں، ان ہی کی مرضی کے مطابق نعمتوں کا استعمال ضروری ہے، اس کو دوسرے الفاظ میں شکر سے تعبیر کیا جاتا ہے، اور مومن کی شان میں فرمایا گیا ہے،

الْمُؤْمِنُ شَكُورٌ عِنْدَ الرَّخَاءِ — مومن چین کی حالت میں حق تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہے،

اگر ہم آسائش ونعمت کی حالت میں حق تعالیٰ کو یاد نہ رکھیں، نعمتوں کو ان ہی کی جانب سے نہ سمجھیں، اور اس طرح اپنا رخ ان ہی کی جانب نہ رکھیں، تو مصیبت وخوف کے وقت ہم حق تعالیٰ کی رحمت وراحت کا ادراک نہیں قائم کرسکتے، جو ہماری نجات کا واحد ذریعہ ہے، چین وآسائش کے وقت حق تعالیٰ کی یاد ہمیں اس قابل بناتی ہے، کہ خوف ومصیبت کے وقت ہم ان کی معیت کا ادراک کرسکیں، ان کی رحمت کاملہ کو اپنا مونس ورفیق پاسکیں، اس لئے حضور انورؐ نے ابن عباسؓ سے فرمایا تھا، کہ اے لڑکے:-

احْفَظِ اللَّهَ يَحْفَظْكَ اللَّهُ، — خدا کی نگہداشت کرو، خدا تمھاری نگہداشت

احفظ اللہ تجدہ امامک | کرے گا، خدا کو حاضر جانو تو اس کو اپنے سامنے پاؤ گے،

اگر ہم حق تعالیٰ پر نگاہ رکھین یعنی اُن کی معیت کے ادراک مین رہین، تو حق تعالیٰ ہمین اپنی نگاہ مین رکھتے ہین، (اپنی رحمت و نصرت سے) اگر ہم حق تعالیٰ کی معیت کا ادراک قائم رکھین، تو ہم انھین اپنے سامنے ہی پاتے ہین :-

خوف کے وقت حقیقی دعا تو یہ ہے کہ ہم کہین "حق تعالیٰ مین آپ کا شکر گذار ہون کہ آپ ہمیشہ میرے ساتھ ہین"، "مین آپ کی نظرون مین ہون"، پھر کوشش اس امر کے ادراک کی کی جائے، کہ ہم حق تعالیٰ کی آنکھون کے سامنے ہین، اور اُن کی رحمت کاملہ بادل کی طرح ہم پر سایہ فگن ہے، یا نور کی طرح ہر جانب سے ہم پر محیط ہے،

خوف اور بلا کے ورود کے وقت قرآن شاہد ہے، کہ پیغمبر اسلام (فداہ روحی) کو حکم ہوا کہ

وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَإِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا، | اپنے رب کے حکم پر صبر کرو کہ تم ہماری آنکھون کے سامنے ہو،

بعض عارفین کی جیب مین یہ آیت لکھی رہتی تھی، خوف و مصیبت کے وقت اس پر نظر ڈالتے، حضور و معیت حق کا ادراک کرتے، اور محض اس ادراک سے کہ حق تعالیٰ ہماری اس مصیبت کو جانتے ہین، اس تجربہ مین شریک ہین، دیکھ رہے ہین جھومتے رقص کرتے، خود حضور انور پر اس آیت سے وجد طاری ہوا تھا، اور ام المومنین عائشہ صدیقہؓ آپ کے پاؤن پر گر گئی تھین[1]، جامی نے شاید اسی مفہوم کو یون ادا کیا ہے،

با در دبساز چون دوائے تو منم | در کس منگر کہ آشنائے تو منم

[1] معارف :- لائق مضمون نگار نے اس کی کوئی سند نہین لکھی ہے،

گر بر سر کوئے عشق ما کشتہ شوی | شکرانہ بدہ کہ خونبہائے تو منم

(۲) ثانیاً قرب حق یا حضور حق حکمت و نظم کا نام ہے، حضور حق عالم لاہوت ہے، عالم لاہوت مین کامل الٰہی نظم پایا جاتا ہے، بے نظمی یا اختلال نہین، عالم لاہوت مین شر نہین فساد نہین بلکہ کامل نظم و ترتیب ہے،

نظم کائنات پر غور کرو، یہان ہر قانون اپنا عمل کر رہا ہے، اس کی شکست یا ناکامی ناممکن ہے، مثلاً کوئی برقیہ (Electron) اپنے کام مین قصور نہین کرتا، دوسرے برقیہ سے نہین ٹکراتا اُن کے درمیان تصادم ممکن نہین، یا قرآنی الفاظ مین یون کہو کہ صنع الٰہی مین کوئی خلل نظر نہین آتا، بار بار نگاہ ڈالنے پر بھی نگاہ درماندہ ہو کر لوٹتی ہے، اور کوئی عیب یا خلل نظر نہین پڑتا،

ما ترى في خلق الرحمٰن من تفوت فارجع البصر هل ترى من فطور، ثم ارجع البصر كرتين ينقلب اليك البصر خاسئا وهو حسير، (پ ۱۹ ع ۱) | تو خدا کی صنعت مین کوئی خلل نہ دیکھے گا تو پھر نگاہ ڈال کر دیکھ کہین تجھ کو کوئی خلل نظر آتا ہے، پھر بار بار نگاہ ڈال کر دیکھ، نگاہ ذلیل اور درماندہ ہو کر تیری طرف لوٹ آئے گی،

عالم لاہوت مین اس سے کہین زیادہ کامل نظم و توافق کی حکمرانی ہے، یا یون کہو کہ "نظم الٰہی" مین کامل توافق یا ہم آہنگی پائی جاتی ہے، نغمہ موسیقی جن تارون سے پیدا ہوتا ہے، ان مین سے ہر تار اپنی مقررہ شرح ہی سے مرتعش ہوتا ہے، اس رفتار مین کمی یا زیادتی نہین ہوتی، نظم الٰہی کا بھی یہی حال ہے، یہان بھی ہر شے ٹھیک ہوتی ہے، اپنے صحیح مقام پر ہوتی ہے، اپنا مفوضہ کام انجام دیتی ہے، اس کو کامل طور پر انجام دیتی ہے، اور اپنے صحیح وقت پر انجام دیتی ہے،

حضور حق یا قرب حق کے مفہوم مین نظم الٰہی بھی شامل ہے، اور چونکہ حق تعالیٰ ہمیشہ ہمارے قریب ہین

اقرب ہین، ساتھ ہین، نظمِ الٰہی، حکمتِ حق بھی اس کے ساتھ موجود ہے، اگر ہم اس پر بھروسہ کرین، تو اس کا ظہور بھی قطعًا ہو کر رہے گا،

جب ہم اپنی دعا مین کہتے ہین، کہ حق تعالیٰ مین آپ کا شکر ادا کرتا ہون کہ آپ ہمیشہ میرے ساتھ ہین، تو ہمین اس امر کا تحقق ہوتا ہے، کہ معیتِ حق نہ صرف رحمت ہی، بلکہ حکمت بھی ہے، نظم بھی ہی، لہذا ہر شے ٹھیک ٹھیک ہو گی، اور اپنے ٹھیک وقت اور ٹھیک مقام پر ہو گی، اور اگر ہم اس یقین صادق کو قلب سے ہٹنے نہ دین، تو پھر سب کچھ ٹھیک ہی ہو گا،

عارف رومی نے اس حقیقت کو یون ادا فرمایا ہے،

رو دیدہ بہوش تا دلت دیدہ شود   زان دیدہ جہان دگرت دیدہ شود

گر تو ز پسند خویش بیرون آئی   کارت ہمہ سر بسر پسندیدہ شود

اگر دیدۂ دل "سے حکمتِ الٰہی نظر آنے لگے، اگر دل نظمِ الٰہی کا مشاہدہ کرنے لگے، اس یافت و شہود مین دوجا بھی رہے، تو پھر عارف کا ہر کام پسندیدہ ہی ہو گا، اپنے وقت پر ہو گا، اپنے مقام پر ہو گا، اور ہر وقت وہ یہی کہے گا، کہ "الخیر فیما وقع" "جو ہوا وہ ٹھیک ہوا"،

ہر چیز کہ ہست آنچنان می باید   وان چیز کہ آنچنان نمی باید نیست!

نہ صرف یہ کہ حق تعالیٰ ہمیشہ ہمارے ساتھ ہین، اللّٰہ مَعَنَا، بلکہ ہر زندگی مین منشائے الٰہی ہی کی تکمیل ہو رہی ہے، ہمارے دل ہمارے اعضا اور ہم خود سرتاپا حق تعالیٰ ہی کے قبضہ مین ہین، اس منشائے الٰہی کی بنیاد نامتناہی حکمت و رحمت پر قائم ہے، یہ سرتاپا حکمت ہی، رحمت ہی، یہ ہمین خیر و بہتری کی طرف لیجا رہی ہے، اس کو ارادۃ اللّٰہ سے بھی تعبیر کیا گیا ہے، مرضی مولیٰ بھی کہا گیا ہے، حق تعالیٰ کے ارادہ سے توافق اُن کی رضا سے راضی ہونا، رضا از و، رضا بدو، رضا در و اعراض عن الاعتراض "حفظ حال، "قیام فی ما اقام اللّٰہ" اس کی تعلیم تو ہمارے رہبرِ اعظم صلی اللّٰہ علیہ وسلم نے

ہمین دی ہے، حق تعالیٰ کے ارادے، منشا، مرضی، سے زیادہ بہتر، زیادہ نفیس زیادہ حسین و جمیل، زیادہ شاندار کوئی چیز نہین ہو سکتی، نیک انجام و شاد کام ہے، وہ شخص جس نے اپنے ارادے سے حق تعالیٰ کے ارادے کے خلاف کام نہ لینے کا ارادہ کر لیا او بآواز بلند کہا

اُرِیْدُ ان لا ارید،   مین نے ارادہ نہ کرنے کا ارادہ کیا

اور حضور انور صلی اللّٰہ علیہ وسلم کے الفاظ مین حق تعالیٰ سے معروضہ کیا ہو،

اللّٰھم انی قلوبنا ونواصینا	حق تعالیٰ! ہمارے دل ہم خود سرتاپا
وجوارحنا بیدك لم تملكنا	اور ہمارے اعضا آپ ہی کے قبضہ
منها شيئًا فاذا فعلت	مین ہین، آپ نے ہمین اُن مین سے
ذالك، فكن انت ولينا	کسی چیز پر بھی اختیار (کامل) نہین
واهدِ نا الى سواء السّبيل[1]	دیا ہے، پس جب آپ نے یہ کیا ہے،
	تو آپ ہی ہمارے مددگار رہئے، اور
	ہمین سیدھی راہ دکھاتے رہئے،

جس کی شب و روز یہ دعا ہو کہ

اللّٰھُمَّ انّی ضعیف	حق تعالیٰ مین کمزور ہون پس اپنی
فقوّنی رضاك	مرضیات مین میرا ضعف اپنی قوت
ضعفی وخُذ الی	سے بدل دیجئے، اور کشان کشان
الخیر بناصیتی و	مجھے خیر کی طرف لے جائیے، اور اسلام
واجعل الاسلام	کو (یعنی ہر امر مین آپ کے سامنے

[1] ترمذی عن ابی ھریرۃ و کنز العمال عن جابر،

منتہاد رضائی،[۱] سر تسلیم خم کرنے کی خو کو) میری پسند
کا منتہا بنا دیجئے،

جب ہم حق تعالیٰ کے ہاتھون مین اپنے آپ کو دیدیتے ہین، نرم اور ملائم اور لچکیلے ہو جاتے ہین، اُن کے ارادے کے آگے سر تسلیم خم کر دیتے ہین، ان کی رضا سے راضی اور غضب سے غضبناک ہو جاتے ہین، تو پھر حق تعالیٰ بھی ہماری رضا سے راضی اور غضب سے غضبناک ہوتے ہین اور وحی نے اس کی توثیق کی ہے، ان اللہ رجالاً یرضی برضائہم و یغضب بغضبہم کما انہم یرضوا برضاءِ لا ویغضبو ابغضبہ،

ہرچہ خواہی آن کند گر ہرچہ خواہی آن کنی
آنچہ گوئی بشنود گر ہرچہ گفت او بشنوی

جب مقام رضا کی تکمیل ہو جاتی ہے تو پھر ہمین پروا نہین رہتی، کہ زندگی مین ہم پر کیا گذر رہی ہے، یا گذرنے والی ہے، کیونکہ ہم جاننے لگتے ہین، کہ انجام ہر چیز کا خیر ہے، خیر اب بھی اور ہمیشہ کے لئے بھی اسی لئے شیخ جیلی نے جان کر کہا تھا کہ

الرضا بالقضا ہو الراحۃ الکبریٰ	قضائے الٰہی سے راضی رہنا دنیا مین
والجنۃ العالیہ المنفردۃ فی	بڑی راحت کا سبب ہے، گویا
الدنیا وعلۃ محبۃ اللہ بعبدہ	جنت عالیہ ہے، اور عبد مومن کے
المومن فمن احبہ اللہ لم یعذبہ	ساتھ حق تعالیٰ کی محبت کا باعث
فی الدنیا والاخرۃ،[۱]	ہے، اور جس سے حق تعالیٰ محبت
	کرتے ہین، اس کو نہ دنیا مین تکلیف

[۱] فتوح الغیب،

قرب حق مین زندگی بسر کرنے اور اس پر یقین صادق حاصل کرنے کا کہ ہماری زندگی مین مراد الٰہی کی تکمیل ہو رہی ہے، نتیجہ خوف پریشانی فکر اور بے شمار خرابیون کا کامل دفعیہ ہو، ہم کو اس سے اس عارف کامل کا نقطہ نظر حاصل ہو جاتا ہے، جو زندگی اور اس کے ہموم و غموم، افکار و پریشانیون پر ہنستے ہوئے نظر ڈالتا ہے، کیونکہ وہ جانتا ہے کہ پس پردہ حکمتِ مطلقہ و رحمتِ مطلقہ کام کر رہی ہے، اور اپنے شاندار منشأ و مراد کی تکمیل کر رہی ہے، اور ہمین خیر برترین کی طرف لے جا رہی ہے، سارے جہان کو بھی اگر وہ برف سے ڈھکا ہوا دیکھتا ہے، تو گھبراتا نہین، کیونکہ وہ جانتا ہے، کہ خورشید کی ایک نظر سے یہ ساری برف پگھل جائے گی،

گر جہان پُر برف گردد سر بسر
تاب خور بگذاردش از یک نظر (رومی)

اس لئے وہ اپنے ساتھیون سے عجیب امید افزا لہجہ مین کہتا ہے،

سوے نومیدی مرو کامیدہاست
سوے تاریکی مرو خورشید ہاست

بے خوف زندگی بسر کرنے کا راز تم نے دیکھا بس یہی ہے کہ

(۱) قرب حق مین زندگی بسر کرو کیونکہ

عمر خوش در قرب جان پروردن ست
عمر زاغ از بہر سرگین خوردن ست

(۲) حق تعالیٰ کے ہاتھون مین نرم اور ملائم بن جاؤ، تاکہ ارادۃ اللہ جاری ہو جائے، رضائے حق تمہارا مقام ہو، "قیام فی ما اقام اللہ" حق تعالیٰ نے جہان تمہین کھڑا کیا ہے، وہین کھڑے رہو، رضا بالعطا، خفتا حال تمہارا شیوہ ہو، ہر حالت مین خوش رہو، تصادم بالقضا سے بچو،

جن تجربات سے گذر رہے ہو، ان پر خدا کا شکر کرتے رہو کہ ان کا تمھین موقع دیا گیا، ان ہی سے سیرت کی تکمیل ہوتی ہے، دنیا کو "روح ساز" وادی کہا گیا ہے، یہان کبھی غم کے مضراب سے اور کبھی خوشی کے تارون سے سیرت کے خفتہ نغمے بیدار کئے جاتے ہین، ان پر ہر حال مین شکر واجب ہے، کرب و بلا دونون کی ایک سی قیمت ہی،

بالفاظ دیگر جن چیزون سے تمھین خوف ہو، اُن ہی سے پیار کرو، اور خوف سے تمھین ہمیشہ کے لئے نجات مل جائے گی،

بس زبون وسوسہ باشی دلا
گر طرب را باز دانی از بلا

باب التقریظ والانتقاد

تاریخ ہند قرون وسطی

جلد دوم

از

جناب سید صباح الدین عبد الرحمن صاحب (علیگ)

مذکورہ بالا کتاب ہندوستان کے مسلمان سلاطین کی تاریخ ہی جس مین ۱۱۸۶ء سے ۱۳۲۰ء یعنی سلطان محمد غوری سے سلطان قطب الدین مبارک شاہ خلجی تک کے حالات ہین، فاضل مؤلف قاری محمد بشیر الدین صاحب بدایونی ایم اے (علیگ) وائس پرنسپل اسلامیہ ہائر سکنڈری اسکول شاہجہانپور مبارکباد کے مستحق ہین، کہ انھون نے بڑی محنت کاوش اور ایک نئے نقطۂ نظر سے اس کتاب کو لکھنے کی کوشش کی ہی، اور اب تک ہندوستان کے مسلمان بادشاہون کی جتنی تاریخین لکھی گئی ہین، ان مین یہ کتاب جداگانہ حیثیت رکھتی ہی،

کتاب کے شروع مین پروفیسر محمد حبیب بی، اے (آکسن) بار ایٹ لا، صدر شعبۂ سیاسیات مسلم یونیورسٹی علی گڈھ کا مقدمہ، شیخ عبد الرشید ایم اے ال ال بی صدر شعبۂ تاریخ مسلم یونیورسٹی کی تقریب اور پروفیسر ضیاء احمد بدایونی ایم اے شعبۂ فارسی مسلم یونیورسٹی کا تعارف ہی، مسلم یونیورسٹی کے ان تینون فاضل اساتذہ مین سے اس اردو کتاب مین صرف پروفیسر ضیاء احمد بدایونی ہی نے اردو زبان مین تعارف لکھنے کی زحمت گوارا فرمائی ہی، پروفیسر محمد حبیب اور پروفیسر شیخ عبد الرشید نے انگریزی ہی مین اپنی زبان کی

داد دی ہے، شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ یہ دونون فضلا اپنے بلند درجہ سے اردو کی نیچی سطح پر اترنا پسند کرتے ہون، یا شاید تمام زندگی اردو بولنے اور اُس کے ایک بڑے مرکز مین رہنے کے باوجود وہ انگریزی زبان ہی مین سوچتے ہون، تاہم جو کچھ انھون نے انگریزی مین لکھا ہے اگر اس کو اپنی ٹوٹی پھوٹی مادری زبان مین لکھ دیتے تو اُن کی خوش مذاقی کی دلیل ہوتی، ورنہ اردو کی تصنیف مین مسلم یونیورسٹی کے اساتذہ کی تحریر کے پیوند سے خود اپنے لسانی افلاس کا مظاہرہ ہوتا ہے، کتاب کے فاضل مؤلف کو شاید اس کا احساس تھا، اس لئے اُن انگریزی تحریرون کا ترجمہ اردو مین بھی دیا ہے، اور غالباً پروفیسر حبیب کی بعض باتین بھی اُن کی نگاہ مین قابلِ اعتراض تھین، اس لئے مقدمہ کے اردو ترجمہ مین اُن کو حذف کر دیا گیا

پروفیسر حبیب کا مقدمہ بیس صفحون پر مشتمل ہے، جو نہ صرف ایک کتاب کا دیباچہ بلکہ ایک پرمغز علمی مقالہ بھی ہے، یہ اگر علٰحدہ کسی انگریزی رسالہ مین شائع ہوتا تو زیادہ موزون ہوتا، کچھ دنون سے پروفیسر حبیب نے مسلمانون کی آمد سے پہلے ہندؤن کے تمدنی ثقافتی اور معاشرتی حالات کو اپنا موضوع بنا لیا ہے، اور وقتاً فوقتاً وہ اس موضوع پر لکھ کر اپنی وسعتِ نظر اور فراخدلی کے جوہر دکھاتے رہتے ہین، چنانچہ اس مقدمہ مین بھی انھون نے ہندؤن کے قدیم تمدنی اور ثقافتی پہلوؤن پر بھی بحث کی ہے،

لیکن یہ عجیب بات ہے کہ پروفیسر حبیب جب کبھی مسلمانون کے دورِ حکومت کی جانب توجہ کرتے ہین تو کوئی نہ کوئی ایسی بات ضرور لکھ جاتے ہین، جس سے مسلمانون کے مذہبی اور ملی جذبات کو صدمہ پہنچتا ہے، یہ مقدمہ بھی اس سے خالی نہین ہے، مثلاً ایک جگہ لکھتے ہین:

"مسلمانون کی شریعت مین کوئی پبلک لا نہین ہے، یہ (یعنی اسلامی شریعت) سیاسی حقوق سے کچھ بھی واقف نہین، اس کا تعلق صرف نجی اور شہری حقوق سے ہے"

(انٹروڈکشن صفحہ ۱۶)

حیرت ہے کہ ایک مسلمان کے قلم سے ایسی غیر ذمہ دارانہ بات کیونکر نکلی، ایک غیر مسلم بھی جو اسلامی شریعت سے کچھ بھی واقفیت رکھتا ہے، ایسی بات نہین لکھ سکتا، اسلام کی تو سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہ دوسرے مذاہب کی طرح اس کا دائرہ محض خدا اور بندے کے تعلق یعنی عقائد و عبادات اور اخلاق تک محدود نہین ہے، بلکہ وہ پورا نظام زندگی ہے، جس مین عقائد و عبادات اور اخلاق کے ساتھ معاملات یعنی انسانون کے باہمی حقوق و فرائض اقتصادیات، معاشیات اور زندگی کے تمام پہلوؤن کا پورا دستور العمل ہے، موجودہ لادینی سیاست کے نقطۂ نظر سے اسلام اور اس کی شریعت پر سب سے بڑا اعتراض یہی کیا جاتا ہے کہ اسلام مین مذہب اور سیاست الگ نہین ہین، حکومت اور سیاست کو بھی مذہب مین داخل کر لیا گیا ہے اگر حسنِ ظن سے کام لیا جائے تو غالباً فاضل پروفیسر نے اسی اعتراض سے بچنے کے لئے سیاست کو اسلامی شریعت سے خارج کر دیا ہے، اس لئے کہ ایک پڑھے لکھے مسلمان سے ہرگز اس کی توقع نہین کی جا سکتی کہ وہ اپنے مذہب سے اتنا ناواقف ہو سکتا ہے، پروفیسر موصوف فقہ کی جس کتاب کو اٹھا کر دیکھ لین، اس مین عبادات کے ساتھ معاملات یعنی انسانون کے باہمی حقوق و فرائض، جنگ و صلح، حقوق اعدا، حقوق ذمیین، حقوق مستامن، حقوق عوام وغیرہ کے مکمل قوانین ملین گے، بلکہ حکومت کے سیاسی و مالی قوانین پر مستقل کتابین موجود ہین، ماوردی اور ابن عماد حنبلی کی احکام السلطانیہ، قاضی ابو یوسف کی کتاب الخراج، ادم ابن عبید کی کتاب الاموال حکومتِ اسلامیہ کے دستوری اور مالی قوانین پر مشہور کتابین ہین، اس کے علاوہ فقہ کی کوئی کتاب بھی ان ابواب سے خالی نہین ہے، ایسی حالت مین اسلامی شریعت کو محض نجی اور شخصی حقوق تک محدود کر دینا یا تو مصلحت آمیز دروغ یا اسلام سے بالکل ناواقفیت کی دلیل ہے،

آج کل کے غیر مسلم اہلِ قلم جب کبھی مسلمانون کے مذہب اور تاریخ پر لکھنے بیٹھتے ہین، تو وہ اُن کی مذہبی اور تاریخی کتابون کا گہرا مطالعہ کرنے کے بجائے کسی مسلمان اہلِ قلم کی ایسی رائے اور تحریر کی جستجو و تلاش مین رہتے ہین جن سے وہ کسی خاص غرض کے لئے فائدہ اٹھا سکین، اس لئے اگر کوئی غیر مسلم

اہل قلم مسلم یونیورسٹی کے ایک فاضل پروفیسر کی مذکورۂ بالا تحریر سے فائدہ اٹھائے تو اُن کے یہ چند فقرے
کس قدر مضر ثابت ہو سکتے ہین،

پروفیسر موصوف نے خلاف توقع ایک نئی بات یہ پیش کی ہو کہ ہندوستان مین مسلمانون کی آمد
سے پہلے اور اُن کی حکومت کے زمانہ مین مزدورون کا سوال بہت اہم تھا، اور بے روزگاری کی وجہ سے
اُن مین مستقل بے چینی رہتی تھی، آج کل ہر ملک مین یہی سوال پیدا ہے، اور سیاست کا کھیل مزدورون
ہی کے ذریعہ سے کھیلا جا رہا ہے، اور آیندہ تاریخ ان ہی مزدورون کے ذریعہ سے بنائی جانے والی ہو اس لئے
آج کا مورخ گذشتہ عہد کی تاریخ کا مطالعہ بھی اسی نقطۂ نظر سے کرنا چاہتا ہے، جو صحیح نہین ہے ہماری
گذشتہ تاریخ عام طور سے جو مسخ ہو گئی ہے، اس کی بڑی وجہ یہ ہو کہ اس کو موجودہ دور کی عینک سے دیکھا
جاتا ہے، معلوم نہین آگے چل کر اور کن کن عینکون سے گذشتہ دور کے واقعات دیکھے جائین گے، اور
اُن کی کیا کیا تعبیرین کی جائین گی، لیکن یہ تعبیرین مورخون کی محض اُپج ہی ہون گی، جن کا تعلق حقیقت
سے نہ ہوگا،

پروفیسر موصوف کا خیال ہے کہ اگر مزدورون، گاؤن والون اور شہر کے کام کرنے والون مین
بددلی اور بے چینی نہ ہوتی، تو شہاب الدین غوری ہندوستان کو اتنی آسانی سے فتح نہ کر سکتا تھا، اُن کے
خیال مین غوریون کی فتح اُن کی سپہ گری اور جانبازی کا نتیجہ نہین، اس لئے اس کو اُن کا سپاہیانہ
کارنامہ قرار نہین دیا جا سکتا، بلکہ ان کی فتح کو سقوط ہند (Indian Coollapse)
کہنا چاہئے، ممکن ہے، یہ رائے صحیح ہو، لیکن اس کو قبول کرنے مین اس لئے تامل ہوتا ہے کہ ۱۱۹۱ء
مین جنگ ترائین مین غوریون کو شکست فاش ہوئی، تو پروفیسر صاحب کے خیال کے مطابق اس کا سبب
یہ ہوگا، کہ ۱۱۹۱ء مین مزدورون، کسانون، اور کام کرنے والے طبقون مین بددلی اور بے چینی نہین تھی
لیکن اس کے کل سوا سال کے بعد پھر غوریون نے راجپوتون کے مقابلہ مین فتح حاصل کی، اور جب جلد

سارا ہندوستان مسلمانون کے زیر نگین ہو گیا، اب اگر پروفیسر صاحب کی رائے تسلیم کر لی جائے تو یہ
ماننا پڑے گا کہ ایک بہت ہی قلیل مدت مین مزدورون اور کام کرنے والے طبقون مین بددلی
اسی سرعت اور عجلت کے ساتھ پھیلی جیسی کہ موجودہ دور مین ڈاک، تار، ریل، ہوائی جہاز، اخبار اور
ریڈیو کے ذریعہ سے پھیلائی جاتی ہے،

علائی مینار (جس سے مراد غالباً قطب مینار ہے) اور اس کے پاس قطب مسجد (یعنی مسجد قوت الاسلام)
مسلمانون کی شاندار تعمیری یادگارین ہین لیکن پروفیسر حبیب کا خیال ہے کہ اس قسم کی بے مصرف تعمیرات
عامہ (Useless public structures) محض بے روزگارون
کی بے روزگاری مزدورون کی بے چینی دور کرنے کے لئے کرائی جاتی تھین، اگر کسی چیز کو محض جنبش قلم سے
بے کار اور بے مصرف قرار دیا جا سکتا ہے، تو دنیا کے ہر ملک کی شاندار یادگارون کی اہمیت بالکل ہی
ختم ہو جائے گی، لیکن اس قسم کی رائے وہی مورخ ظاہر کر سکتا ہے جو کسی خاص عینک سے تاریخ
کا مطالعہ کرنا یا کسی مقصد کے لئے ماضی سے نفرت پیدا کرانا چاہتا ہو، اگر قطب مینار، اور مسجد قوت الاسلام
کی محرابون کے متعلق یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ محض مزدورون کی بے چینی دور کرنے کی خاطر تعمیر کی گئین،
تو ہسپانیہ کے الحمرا و الزہرا، دمشق کی جامع اموی اور مصر کی جامع عمرو بن العاص کی محرابون اور
منارون، ہندوستان مین فتح پور سیکری کی عمارتون، جہانگیر کے مقبرے اور تاج محل وغیرہ کے
متعلق بھی یہی کہا جا سکتا ہے، اس طرح آرٹ کے نقطۂ نظر سے ان عمارتون کے مطالعہ اور اُن کی اہمیت
کا سوال ہی باقی نہین رہ جاتا،

فاضل پروفیسر نے اپنے انگریزی مقدمہ مین کتاب کے مؤلف قاری محمد بشیر الدین پنڈت کے
نام کے ساتھ کہین پنڈت اور کہین شہری لکھا ہے، اسی کے ساتھ اگر وہ کسی جگہ قاری بھی لکھ دیتے، تو
ان کی روشن خیالی اور فراخ دلی پر حرف نہ آتا،

فاضل مصنف کی اصل کتاب کا آغاز "لمحۂ فکریہ" سے ہوتا ہے جس میں بعض خاص خاص مسائل
مثلاً اسلامی جہاد کی حقیقت، حرمت نفس، قصاص، مقصد جنگ، مجاہدین کا درجہ، مدافعانہ جنگ، جزیہ،
اسلامی نظام حکومت کے بنیادی اصول، مسلمانوں کا خلیفہ، طریق انتخاب و طریق کار پر مفید مباحث
ہیں، جن سے مؤلف کی وسعت مطالعہ کا پتہ چلتا ہے، لیکن اگر یہ مباحث ایک مستقل باب میں لکھے جانے
کے بجائے کتاب کے خاص خاص مسائل کے ساتھ ہوتے، تو زیادہ بہتر ہوتا، مثلاً اسلامی جہاد کی حقیقت کے
سلسلہ میں یہ بتایا جاتا کہ اس بارہ میں اسلام کی اصل تعلیم کیا ہے، اور عملی حیثیت سے ہندوستان کے
مسلمان حکمرانوں نے کیا کیا، اسی طرح یہ بھی ظاہر کیا جا سکتا تھا کہ اسلام میں جنگ کا مقصد کیا ہے، اور
مسلمان فاتحوں کے کیا مقاصد تھے، یا اسلامی نظام حکومت کے بنیادی اصول پر بحث کر کے یہ دکھایا
جا سکتا تھا کہ ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں نے ان اصولوں کی پابندی کہاں تک کی، تمہید میں
جزیہ پر تو بحث ہے، لیکن جن مسلمان فرمانرواؤں کا حال لکھا گیا ہے، اُن کے دورِ حکومت میں کہیں جزیہ
کی بحث نہیں آئی ہے، اسی طرح باب اول میں ہندوستان میں آمد کے وقت اسلامی سوسائٹی کا رنگ،
اور اسی کی فصل دوم میں "ہندوستان میں آنے سے پہلے مسلمانوں کی علمی ترقیاں" کے عنوان سے جو کچھ لکھا
گیا ہے، اس سے مصنف کے معلومات کا اظہار تو ضرور ہوتا ہے، لیکن اگر ان کو حذف کر دیا جائے تو
اصل کتاب کے علمی وزن میں کوئی کمی نہیں ہوتی ہے، البتہ اگر یہ دکھایا جاتا کہ ہندوستان میں مسلمانوں
کی آمد کے وقت اسلامی سوسائٹی کا کیا رنگ تھا، اور خود ہندوستان کے مسلمانوں کی سوسائٹی کا کیا رنگ
رہا، اسی طرح ہندوستان میں آنے سے پہلے مسلمانوں کی علمی ترقیاں دکھا کر ہندوستان کے مسلمانوں
کی علمی ترقیاں پیش کی جاتیں تو لائق مصنف کا یہ بڑا علمی کارنامہ ہوتا،

باب دوم کی مختلف فصلوں میں عہد مغلیہ سے پہلے کے ہندوستان کے مذہبی اور معاشرتی حالات
دکھائے گئے ہیں، جو اپنے معلومات کی وجہ سے لائق مطالعہ ہیں، فاضل مؤلف نے زیر نظر تاریخ کی

پہلی جلد بھی لکھی ہے، جس میں ظاہر ہے کہ عربوں اور غزنویوں کی حکومتوں کے حالات ہوں گے، اس لئے
جلد دوم کے باب دوم میں جو کچھ لکھا گیا ہے، اگر وہ ان کی پہلی جلد میں ہوتا، تو زیادہ مناسب تھا، لیکن
شاید پہلی جلد میں یہی باتیں کسی اور نقطۂ نظر سے لکھی گئی ہوں،

باب سوم میں ۱۲۰۰ء سے پہلے کی ہندوؤں کی مختلف ریاستوں اور حکومتوں کا ذکر ہے، اور باب
چہارم اور باب پنجم میں غوریوں، غلاموں اور خلجیوں کی تاریخ ہے، جس کے پڑھنے کے بعد مؤلف کی تلاش
و تحقیق کے شوق اور تاریخ نویسی کے ذوق کا پورا اندازہ ہوتا ہے، طرز بیان سنجیدہ اور متین ہے، اور
زبان صاف و سلیس ہے،

حاشیے میں جن ماخذوں کے حوالے دئے گئے ہیں، اُن سے ظاہر ہوتا ہے کہ مصنف کا مطالعہ
وسیع ہے، لیکن ان میں بکثرت ایسی کتابیں بھی نظر آتی ہیں، جو تعلیمی اداروں میں مقبول ہیں، لیکن نصابی
کتابوں کو خواہ وہ کیسی ہی مفید اور مستند ہوں، کسی محققانہ کتاب کا ماخذ بنانا احتیاط کے خلاف ہے، معلوم
نہیں، فاضل مصنف نے کہیں ضیا برنی، اور زیادہ تر ضیائے برنی لکھنا کیوں پسند کیا ہے، مجموعی حیثیت سے یہ
کتاب مفید پُر از معلومات اور لائق مطالعہ ہے،

تاریخ سندھ

مولانا مولانا سید ابو ظفر صاحب ندوی دسنوی سابق رفیق دار المصنفین اعظم گڈھ

اس میں سندھ کا جغرافیہ مسلمانوں کے حملہ سے پیشتر کے مختصر اور اسلامی فتوحات کے مفصل حالات خلافت راشدہ
کے زمانہ سے لیکر آٹھویں صدی ہجری تک سندھ جن جن حکومتوں کے ماتحت رہا، اُن کی پوری تاریخ، اور ان تمام دوروں
کے نظام حکومت، علمی و تمدنی حالات، اور رفاہِ عام کے جو کام انجام پائے، ان سب کی پوری تفصیل ہے،

ضخامت :- ۴۰۰ صفحے، قیمت :- ۶ر

"منیجر"

ادبیات

غزل

از

جناب سید شاہ ولی الرحمٰن صاحب بی ڈپٹی کلکٹر آرہ

بزمِ طرب سے کام کیا لذتِ غم چشیدہ کو
صحنِ چمن سے کیا غرض برگِ خزان رسیدہ کو

نرگسِ مستِ ناز کی اُڑ رہی فسون طرازیان
دیتی ہے ذوقِ مےکشی زاہدِ برگزیدہ کو

دن کو سکون محال ہے رات کی نیند حرام ہے
روگ ہے انتظار کا دیدۂ خون چکیدہ کو

عقل کی ہرزہ کاریان اہلِ خرد کو ہون پسند
دے نہ سکے گی یہ فریب ذوقِ جنون گزیدہ کو

بڑھ گئی دل کی بےکلی دیکھ کے زلفِ خم بخم
کیسے سکون ہو سکے طائرِ دام دیدہ کو

اپنے مریضِ غم کا حال پوچھ بھی لو دمِ اخیر
دید و نویدِ زندگی جانِ بلب رسیدہ کو

سامنے آکے دل کو پھر محشرِ غم بنا دیا
آگ لگا دی چھیڑ کر شعلۂ آرمیدہ کو

بزمِ جہان مین ابتری پھیل رہی ہے ہر طرف
اُٹھ کے ذرا سنوار لو کاکلِ سرکشیدہ کو

گلشنِ دہر مین ولی لالہ و گل تھو بے تمام
کوئی سکون نہ دے سکا مرغِ دل رمیدہ کو

مطبوعات جدیدہ

مضامین سید سلیمان ندوی
حصہ اوّل

مرتبہ جناب مولوی ابو سلمہ محمد شفیع صاحب بہاری، تقطیع چھوٹی ضخامت: ۴۹۲ صفحے کاغذ کتابت و طباعت بہتر، قیمت للعہ پتہ مکتبہ علم و حکمت محلہ سکونت کلان، بہار شریف ضلع پٹنہ،

حضرت الاستاذ مولانا سید سلیمان ندوی مدظلہ کے قلم سے سیکڑون علمی ادبی و مذہبی مضامین نکل چکے ہین جن کا بڑا حصہ الندوہ اور معارف کے اوراق مین بکھرا ہوا ہے، یہ تمام مضامین علمی و افادی حیثیت سے اس لائق ہین کہ ان کا مجموعہ کتابی شکل مین شائع کیا جاتا، لیکن موصوف نے کبھی اسکی جانب توجہ نہین فرمائی، اسلیے لائق مرتب شکریہ کے مستحق ہین کہ انھون نے اپنے ذوق سے چند مذہبی و علمی مضامین منتخب کرکے اُن کا ایک حصہ شائع کر دیا، اس حصہ مین حسب ذیل مضامین ہین، اسلام دونون جہان کی بادشاہی، قرآن پاک کا تاریخی اعجاز، سورۃ النبی، حقیقت صوم، کیا قرآن رسول کا کلام اور انسانی تعلیمات سے ماخوذ ہے، وحی از روے قرآن، اور مدعی کا تضاد بیان، وحی کے اقسام، علوم القرآن، پھر وانڈی، خلیل اللہ کی بشریت، ذبح عظیم، قربانی کا اقتصادی پہلو، اسلام مین حیوانات کے ساتھ سلوک، اسلام اور سوشلزم، رومن کیتھلک کی چند من گھڑت کہانیان، نئی عورت حال کی پرانی وشا ویز، ازدواج نکاح و طلاق اور تقرر قضاۃ، تاج محل، اور لال قلعہ کے معمار، عربون کی بحری تصنیفات، عرب اور امریکہ، یہ تمام مضامین اپنے مفید اور بیش قیمت معلومات کے لحاظ سے اصحاب علم کے مطالعہ کے لائق ہین، لیکن جہان فاضل مرتب شکریہ کے لائق ہین کہ انھون نے ان بکھرے ہوے موتیون کو ایک لڑی مین پرو دیا، وہین وہ قابل شکایت بھی ہین کہ مضامین کے انتخاب اور ترتیب مین پوری توجہ

سے کام نہین لیا، اگر مختلف حصون مین مضامین کو شائع کرنا تھا تو ہر جلد ایک موضوع کے مضامین کے لئے
مخصوص ہونی چاہئے تھی، اس جلد مین جیسا کہ مضامین کی فہرست سے ظاہر ہے، علمی مذہبی و تاریخی کئی قسم کے
مضامین ہین، اور ان کا انتخاب و ترتیب بھی قابلِ اصلاح ہے، گو اس مجموعہ مین حضرت الاستاذ کے مختصر
پیش لفظ کی بھی سند موجود ہے لیکن موصوف کو خود ایسے کامون کی جانب توجہ کرنے کی مہلت نہین ملتی اور جو شخص
بھی ان سے اس قسم کی تحریرین لکھانا چاہتا ہے، اس سے پاس مروت سے انکار نہین کرسکتے، یہ پیش لفظ بھی اسی
قسم کا ہے، اگر مرتب دار المصنفین کے کسی شخص سے مشورہ کر لئے ہوتے، تو یہ مجموعہ اس سے بہتر شکل مین ہوتا،
ہم کو امید ہے کہ اگر اس کی بقیہ حصون کی اشاعت کی نوبت آئے، تو وہ ضرور رفقائے دار المصنفین سے
مشورہ کرلین گے، اور ان کی طباعت و کتابت مین بھی اس سے زیادہ اہتمام فرمائین گے تاکہ یہ مجموعہ ہر حیثیت
سے مضامین کے شایان شان ہو، تاہم ان فروگذاشتون کی وجہ سے ان مضامین کی اہمیت و افادیت
مین کوئی فرق نہین آیا ہے، اور وہ اصحابِ علم کے مطالعہ کے لائق ہین،

بوستانِ حسرت از جناب مولانا حبیب الرحمن خان شروانی، تقطیع بڑی ضخامت ۱۳۶ صفحے،
کاغذ عمدہ طباعت نفیس و پاکیزہ قیمت ے/ر، پتہ:- کانفرنس بک ڈپو، سلطان جہان
منزل علی گڈھ،

ہمارے مخدوم نواب صدر یار جنگ بہادر مولانا حبیب الرحمن خان شروانی ہماری بزم دوشین
کی وہ آخری شمع ہین جن سے ہماری پرانی باوضع و باوقار تہذیب و شرافت کی محفل روشن ہے، ممدوح
کے گوناگون کمالات کے ساتھ ان کا ذوقِ ادب اور ذوقِ سخن بھی نہایت پاکیزہ و ستھرا اور نکھرا ہوا ہے، اور
ان کی نثر کی طرح ان کی نظم بھی رنگینی و لطافت اور حسن و دل آویزی کا مرقع ہوتی ہے، اگر انھون نے
تالیف و تصنیف کی طرح شعر و سخن کو مستقل مشغلہ نہین بنایا، لیکن ان کا ذوقِ ادب کبھی کبھی اس رنگ
مین بھی اپنی بہار دکھاتا تھا، بوستانِ حسرت اسی بہار کا خوشرنگ گلدستہ ہے، ممدوح، مولانا شبلی، خواجہ

عزیز الدین لکھنوی اور حضرت گرامی جیسے اساتذہ سخن کی بزمِ ادب کے ایک رکن تھے، اور ان اساتذہ نے اُن کے
فارسی کلام کی داد دی ہے، بوستانِ حسرت کی غزلین، نعتین، قطعات تاریخ اور دوسری متفرق منظومات
اس کا ثبوت ہین، ان مین قند پارسی کی شیرینی اور چمنستان شیراز کی بہار کا لطف ہے، بیشتر غزلین عالمِ شباب
کی یادگار ہین، اس لئے ان مین شراب کی مستی، پھولون کی نکہت و رنگینی اور موسیقی کا ترنم ہے، اور بقول مولانا حالی
"یہ غزلین کاہے کو ہین، شراب دو آتشہ ہین، جن مین خمارِ چشمِ ساقی بھی ملا ہوا ہے" خیالات کی رنگینی و لطافت اور
زبان کے لطف کا اندازہ اُن کے مطالعہ ہی سے ہو سکتا ہے، کتاب کے شروع مین سید الطاف حسین صاحب
بریلوی کی تقریب اور مصنف کے قلم سے فارسی غزل کی مختصر تاریخ ہے، جو بجائے خود مستقل حیثیت رکھتی ہے،
اب بادۂ شیراز کا ذوق ختم ہوتا جاتا ہے، اس کے لذت آشنا بہت کم باقی رہ گئے ہین، اس لئے اس کا جو
جام بھی نظر آجائے، تبرک سمجھ کر اس کی قدر کرنی چاہئے، اس لئے توقع ہے کہ فارسی شاعری کے ذوق، تشنہ
بوستانِ حسرت کی نکہت بیزیون سے لطف اندوز ہون گے،

مولود شمسی، مرتبہ محترمہ شمسی عباد الرحمن صاحب، تقطیع بڑی ضخامت ۱۰۸ صفحے، کاغذ کتابت
و طباعت بہتر قیمت ۱۲ر، پتہ نولکشور پریس لکھنؤ،

میلاد نبوی کی محفلون مین جو کتابین عام طور سے پڑھی جاتی ہین، ان کی بیشتر روایات غیر معتبر اور اسلامی
عقیدہ کے خلاف ہوتی ہین، جن سے محفلِ میلاد کا اصلی مقصد یعنی اسوۂ رسول پر عمل کی ترغیب کا فائدہ
حاصل نہین ہوتا، لیکن مولود شمسی سیرت نبوی کی معتبر کتابون سے ماخوذ ہے، اس لئے اس عیب سے
پاک ہے، اور مصنفہ نے واقعات کے انتخاب اور اُن کی ترتیب و تحریر مین بڑے سلیقہ سے کام لیا ہے، اور
سوانح نبوی، آپ کے خلق اور اسلام کی اخلاقی تعلیمات کو بڑے موثر اور دلنشین انداز مین تحریر کیا ہے، یہ کتاب
نہ صرف میلاد کی محفلون مین پڑھنے کے لئے مناسب بلکہ مذہبی معلومات کی حیثیت سے عورتون کے مطالعہ کے
لائق ہے، انداز بیان نہایت شگفتہ اور دلکش ہے، اگر اس قسم کی کتابین میلاد کی مجلسون مین پڑھی جائین

تو اُن سے بڑا فائدہ حاصل ہو سکتا ہے،

پیام نو، مرتبہ جناب وفا راشدی تقطیع اوسط، ضخامت ۲۱۰ صفحے، کاغذ کتابت و طباعت معمولی قیمت مجلد عہ، پتہ ۔ محمد تسلیم الدین پروانہ کاکوی، برقی پریس بانکی پور پٹنہ،

گذشتہ چند برسون کے اندر اردو شاعری مین قومی و ملّی اور سیاسی و انقلابی نظمون کا بڑا ذخیرہ فراہم ہو گیا ہے اور انکے بعض مجموعے بھی شائع ہو چکے ہین، پیام نو اسی قبیل کی نظمون کا نیا مجموعہ ہے، اس مین اردو کے ۳۵-۳۶ شعراء کی منتخب نظمین ہین، نظمون کے ساتھ شعراء کے مختصر حالات بھی دیدیئے گئے ہین، لیکن یہ انتخاب جامع و مانع نہین ہے بعض مشہور شعراء کا کلام اس مین نظر نہین آتا، اور اس کے مقابلہ مین غیر معروف اور مقامی شعراء کو جو کسی حیثیت سے بھی مشاہیر شعراء کے زمرہ مین شمار ہونے کے لائق نہین ہین، شامل کر دیا گیا ہے، تاہم مجموعی حیثیت سے یہ انتخاب جدید رجحانات شاعری کے نمونون کا اچھا مجموعہ ہے، اس کے شروع مین ڈاکٹر عندلیب شادانی کا مختصر مگر مفید اور دلچسپ مقدمہ ہے،

باب القرآن از جناب افضل العلماء ابو سعود احمد صاحب باقوی تقطیع چھوٹی ضخامت ۴۰ صفحے، کاغذ کتابت و طباعت بہتر قیمت تحریر نہین، پتہ :- جنرل سپلائنگ ایجنسی میل وشارم مدراس،

یہ رسالہ اس مقصد سے لکھا گیا ہے کہ عربی حروف تہجی اور ان کے اعراب کو اس طرح بچون کے ذہن نشین کرا دیا جائے، کہ وہ آسانی سے قرآن مجید پڑھ سکین، چنانچہ مفرد حروف، اعراب، اور اُن کی ترکیب کی شکلون کو الگ الگ مشق کے ذریعہ سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے، اور قرآن پاک کے الفاظ فقرون اور عبارتون سے عربی پڑھنے کی مشق کے اسباق دیئے ہین، رسالہ اپنے مقصد کے لئے مفید ہے،

"م"

جلد ۶۵ ماہ جمادی الاول ۱۳۶۹ھ مطابق ماہ مارچ ۱۹۵۰ء عدد ۳

مضامین

مقالات

باب التقریظ والانتقاد